مؤسس: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جولائی ۲۰۰۷ء

مدیر: پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

سال پہلے
شارات
کمت مودودیؒ
م قرآن
م حدیث
سوۂ حسنہ
ریخ وسیر
کیہ وتربیت
ہ واجتہاد
سلامی معاشرت
سلامی تحریکیں
لم اسلام
سلام اور مغرب
لم نسواں
کستانیات
خبار اُمت
سائل ومسائل
تاب نما

پسند آپ کی کاوش ہماری

کامران ماڈل کالونی

محل وقوع

اسلام آباد کے زیر تکمیل سیکٹر I-14 سے متصل،
موٹروے چوک اور مدینۃ الحجاج اسلام آباد سے قریب تر

پلاٹ سائز

رہائشی پلاٹس 5، 6، 10 مرلہ اور ایک کنال
کمرشل پلاٹس 5، 8 مرلہ (محدود تعداد میں)

سہولیات

پانی، بجلی، گیس، سکول، کالج، مسجد، ٹیلی فون
اور 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت موجود

جدید سہولیات

بینک، ہسپتال، اسلامک سنٹر، لائبریری،
کمرشل ایریا، سکیورٹی اور دیکھ بھال کا نظام

خصوصیات

- کشادہ سڑکیں اور گلیاں
- خوبصورت پر فضا اور آلودگی سے پاک ماحول
- کمرشل ایریا جس میں پلاٹ / شاپ صرف رہائشی افراد کو ترجیحی بنیاد پر دی جائے گی
- سیکٹر کے ساتھ متصل ہونے کی بناء پر زندگی کی ہر آسائش موجود
- موٹروے اور جی ٹی روڈ سے قریب ترین ہونے کی وجہ سے 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت
- وقت کے ساتھ قیمتوں میں اضافہ کی بدولت انتہائی منافع بخش سرمایہ کاری

تازہ ترین ریٹس کے لئے ہیڈ آفس سے رجوع کریں

ہاؤسنگ
مختلف سائز کے پلاٹس پر کوٹھیاں اور مکانات تعمیر کر کے دینے کی خدمات موجود

صرف/2000 روپے فی مرلہ ایڈوانس اور /350- روپے فی مرلہ ماہانہ قسط پر پلاٹ حاصل کریں۔

الرحمٰن ویلی

طریقہ کار

درخواست فارم کے ہمراہ شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور 2 عدد پاسپورٹ سائز تصاویر لگائیں اور چیک/ڈرافٹ بنام سائبان ایسوسی ایٹس اکاؤنٹ نمبر 7-1288 الائیڈ بینک آف پاکستان چوہڑ ہڑپال برانچ کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

- براہ کرم ڈرافٹ کے پیچھے اپنا مکمل پتہ اور نام ضرور درج فرمائیں۔
- درخواست فارم اور بروشر مفت طلب فرمائیں۔

ادائیگی کا شیڈول

	پلاٹ سائز	ایڈوانس	ماہانہ قسط	کل قیمت
5 مرلہ	25 x 50	10,000/- روپے	1750/- روپے	156,250/- روپے
6 مرلہ	25 x 60	12,000/- روپے	3500/- روپے	187,500/- روپے
7 مرلہ	30 x 60	14,000/- روپے	3500/- روپے	218,750/- روپے
10 مرلہ	35 x 70	20,000/- روپے	7000/- روپے	312,500/- روپے
ایک کنال	50 x 90	40,000/- روپے	14000/- روپے	625,000/- روپے
کمرشل	ایک مرلہ سے ایک کنال تک	10%	900/- روپے ماہانہ (فی مرلہ)	12,00,000/- روپے

نوٹ: پلاٹ کی قیمت میں ترقیاتی اخراجات شامل ہیں۔

محل وقوع

متصل قرطبہ سٹی،
نزد موٹروے چکری انٹرچینج،
انڈسٹریل زون راولپنڈی

سہولیات

پانی، بجلی، گیس، ٹیلی فون، کمیونٹی سنٹر، مسجد، سکول، کالج، پارک، قبرستان اور 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت

جدید سہولیات

بینک، ہسپتال، اسلامک سنٹر، لائبریری،
کمرشل ایریا، سکیورٹی اور دیکھ بھال کا نظام

بکنگ آفس لاہور

الفا رئیل اسٹیٹ
32، منصورہ مارکیٹ، بالمقابل منصورہ مین گیٹ
ملتان روڈ لاہور موبائل: 0300-9480853
فون: 042-7444316,7443429

برانچ آفس کراچی

سائبان ایسوسی ایٹس
C-161، کمرشل ایریا بلاک 2، PECHS،
طارق روڈ، کراچی، متصل رئیل سیکیورٹی گارڈز
فون: 021-2014728، موبائل: 0345-5360557

ملک بھر سے نمائندگان کی فوری ضرورت ہے۔ خواہشمند افراد رابطہ فرمائیں۔ تحریکی افراد کو ترجیح دی جائے گی

سائبان ایسوسی ایٹس ®

2G/256 بابا مارکیٹ، چوہڑ ہڑپال، مین پشاور روڈ راولپنڈی
فون: 051-5466925 موبائل: 0300-5249230
E-mail: tm_malik71@yahoo.com

ماہنامہ ترجمان القرآن

جلد۱۳۴'عدد ۷'جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ' جولائی ۲۰۰۷ء

مدیر
پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر
مسلم سجاد

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور - ۵۴۷۹۰
فون: ۵۴۲۵۳۵۶ - ۰۴۲
فیکس: ۵۴۳۲۱۹۴ - ۰۴۲
ای میل: tarjuman@wol.net.pk

انتظامی امور

۵-اے' ذیلدار پارک' اچھرہ' لاہور - ۵۴۶۰۰
فون: ۷۵۸۷۹۱۶ - ۰۴۲
۷۰۶۵۷۶۵ - ۰۴۲
فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ - ۰۴۲
ای میل: tarjuman@tarjumanulquran.org
ویب: www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے
زرِ سالانہ: ۲۵۰ روپے
معاونِ خصوصی: ۳۰۰۰ روپے
بیرونی ایڈیشن: ۳۵ روپے

بنگلہ دیش، بھارت ۹۰۰ روپے
ایران، مشرقِ وسطیٰ، مشرقِ بعید، یورپ، افریقہ ۱۲۰۰ روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا ۱۵۰۰ روپے

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن
A/c No. 1957-3, UBL, Ichhra Br. LHR

زیرِ اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

محکمہ تعلیم سے منظور شدہ بحوالہ SO(A-IV)4-45/99

شیطان کا فریب

حیرت ہے کہ آپ سوشلزم، کمیونزم، نازی ازم اور فاشزم اور دنیا کی ہر تحریک کا کھلے دل سے مطالعہ کرتے اور اس کے حسن و قبح کی بنا پر اس پر غور کرتے ہیں لیکن اسلام کے معاملے میں تعصب کی عینک چڑھا لیتے ہیں، اور یہ صرف اس لیے کہ جن لوگوں سے آپ کی ایک مدت سے سیاسی کش مکش ہے وہ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ 'اسلام' خدا کا دین ہے اور اس کے بندوں کے لیے اسی طرح نعمت ہے جس طرح اس کی ہوا، پانی، اناج، پھل پھول، بارش اور خدا کی پیدا کردہ زمین و آسمان کی باقی ساری چیزیں۔ جب آپ ان نعمتوں کے استعمال سے اس لیے ہاتھ نہیں کھینچتے کہ مسلمان بھی ان کو استعمال کرتے ہیں تو آخر اس نعمت سے محض مسلمانوں کی ضد میں کیوں بھاگتے ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! یہ شیطان کا بہت بڑا فریب ہے۔ وہ انسان کو حق سے روکنے کے لیے مختلف قسم کی رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ آپ اس کے اس فریب میں مبتلا ہو کر اپنی دنیا اور آخرت خراب کر رہے ہیں۔ ہم خدا کے دین کو آپ کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے جو ہمارے اور آپ کے رب نے ہمارے ذمے لگایا ہے۔ خدا نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ نیکی اور بھلائی کی ہر بات جو انھیں معلوم ہوا سے اپنے دوسرے بھائیوں تک پہنچائیں تاکہ وہ بھی ان سے مستفید ہوں اور دنیا سے برائی ختم ہو۔ جب مرنے کے بعد آپ خدا کے روبرو پیش ہوں گے تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ میرے کچھ بندوں نے میرا دین آپ کے روبرو پیش کیا، آپ کو اس پر غور کرنے کی دعوت دی، لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ فرمایئے اس کا آپ کیا جواب دیں گے؟ یہ دن آنے والا ہے اور اس کے آنے میں قلب کی ایک حرکت کے سوا کوئی شے حائل نہیں۔ (روداد اجتماع عام حلقہ جنوبی ہند، مدراس، میاں طفیل محمد، ترجمان القرآن، جلد۳۱، عدد۱، رجب ۱۳۶۶ھ، جون ۱۹۴۷ء، ص۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ہمارا سیاسی بحران اور نجات کی راہ

قاضی حسین احمد

پاکستان کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ بار بار کی فوجی مداخلت سے ملک میں سیاسی عمل کو پنپنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ یہاں براہِ راست سول اور ملٹری انتظامیہ حکمران رہی یا ان کی پسند کے لوگوں کو محدود وقت کے لیے محدود دائرے میں حکومت کرنے کا موقع دیا گیا۔ حقیقی جمہوریت، دستور اور قانون کی بالادستی' عدلیہ کی آزادی کے فقدان اور سیاست میں فوجی مداخلت کی وجہ سے ملک دولخت ہوگیا اور باقی ماندہ ملک بھی مسلسل بحرانوں کا شکار ہے۔

امریکا میں ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد مسلمانوں کو بالعموم اور افغانستان و پاکستان کو بالخصوص ہدف بنالیا گیا۔ امریکی سرکردگی میں نام نہاد دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو پرویز مشرف نے اس جنگ میں صف اول کا اتحادی بننے کا اعلان کردیا۔ اس طرح امریکی جنگ کو پرویز مشرف کی حکومت پاکستان کے اندر لے آئی' جس کے نتیجے میں ہمارا ملک ایک بڑے بحران سے دوچار ہوگیا۔ یہ بحران آئے دن پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتا جا رہا ہے۔ سیکڑوں لوگوں کو پاکستان کے اندر اور پاکستان سے باہر امریکی دباؤ پر عقوبت خانوں میں رکھا گیا ہے۔ اپنے جگرگوشوں اور بزرگوں اور سرپرستوں سے محروم ورثا مسلسل احتجاج کے باوجود ان کی خیریت سے لاعلم ہیں اور اعلیٰ عدالتوں کی مداخلت اور حکم کے باوجود حکمران مفقود الخبر سیکڑوں شہریوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے سے انکاری ہیں۔ جو لوگ پاکستان کے اندر ان عقوبت خانوں سے باہر نکلنے

میں کامیاب ہوئے ہیں، وہ اپنے گزرے ایام کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستانیں سناتے ہیں۔

باجوڑ اور وزیرستان میں براہ راست امریکی میزائل حملوں اور بمباری کے نتیجے میں سیکڑوں معصوم لوگ جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں، شہید ہو چکے ہیں۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امریکا کی کاسہ لیسی میں اس جرنیلی قیادت نے امریکی جرائم کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستانی فوج نے اپنے بازوے شمشیر زن قبائلی علاقے کو اپنا مدمقابل بنا لیا ہے۔ جن مجاہدین نے افغانستان میں روسی اور کشمیر میں بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خلاف تحریک مزاحمت کی مدد کی ہے، ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے اور ان سربکف مجاہدین کو دہشت گردی کا ملزم گردانا جا رہا ہے۔ پرویز مشرف کی امریکا نواز پالیسی کی وجہ سے پاکستان نہ صرف داخلی انتشار سے دوچار ہے بلکہ اس کی سرحدیں بھی غیر محفوظ ہو گئی ہیں، خاص طور پر مغربی سرحد جس سے پاکستان بننے کے بعد قائداعظم نے افواج پاکستان کو واپس بلا لیا تھا اور جہاں سے پرویز مشرف کی حکومت سے قبل ہمیں کوئی خطرہ نہیں تھا، آج انتہائی غیر محفوظ ہو گئی ہے۔

ملک کی سب سے بڑی اپوزیشن جماعت متحدہ مجلس عمل سمیت تمام دینی اور مذہبی گروہوں کو پرویز مشرف انتہاپسندی کا طعنہ دے رہے ہیں اور عوامی جلسوں میں کھلم کھلا ان کے مقابلے میں نام نہاد اعتدال پسندوں کے لیے ووٹ مانگ رہے ہیں، حالانکہ اس طرح کی سیاسی مداخلت کی اجازت دستور پاکستان نہ آرمی چیف کو دیتا ہے اور نہ صدرِ پاکستان ہی اس کا مجاز ہے۔ دستورِ پاکستان اور قانون کو بالاے طاق رکھ کر پرویز مشرف مسلسل اپنی من مانی کر رہے ہیں۔ اہم فیصلے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں سے باہر کور کمانڈروں کی میٹنگوں اور نیشنل سیکورٹی کونسل کے اجلاس میں فردِ واحد اپنی مرضی سے کر لیتا ہے۔ پارلیمنٹ اور اسمبلیاں محض نمایشی کاموں کے لیے رکھی گئی ہیں۔ اس سب کے باوجود پرویز مشرف اس خوف میں مبتلا ہیں کہ ان کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔ انھوں نے کئی عوامی جلسوں میں اس کا اظہار کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ سازش کرنے والے کون ہیں۔

چیف جسٹس کی معطلی کیوں؟

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے کراچی اسٹیل مل کے کیس میں حکومت

کی مرضی کے خلاف آزادانہ فیصلہ صادر کیا تھا۔ اسی طرح انھوں نے مفقود الخبر افراد (missing persons) کے بعض لواحقین کی درخواستوں پر ہمدردانہ رویہ اختیار کیا، کئی اور معاملات میں بھی انھوں نے آزادانہ فیصلے کیے جس کی وجہ سے پرویز مشرف نے طے کیا کہ ان کی جگہ کسی ایسے شخص کو لایا جائے جس کے بارے میں انھیں اس حوالے سے مکمل اطمینان ہو کہ وہ ان کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرے گا۔ ان کے لیے یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ نومبر میں ان کی صدارت کی میعاد ختم ہو رہی ہے۔ وردی میں صدر رہنے کا نام نہاد قانون بھی اس کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ چیف آف آرمی سٹاف کے صدر بننے کے لیے دستور کی جن دفعات کو معطل کیا گیا تھا، وہ بھی نومبر میں بحال ہو جائیں گی۔ موجودہ الیکٹورل کالج سے صدر منتخب ہونے کی خواہش کو پورا کرنے میں بعض آئینی دفعات حائل ہیں جن کی تعبیر کا مسئلہ بھی سپریم کورٹ میں اٹھایا جا سکتا ہے۔

سپریم کورٹ اور اعلیٰ عدالتوں کو زیر کرنے کے لیے اپنی مرضی کا چیف جسٹس ضروری ہے، اس لیے انھوں نے چیف آف آرمی سٹاف کی وردی پہن کر چیف جسٹس آف پاکستان کو آرمی ہاؤس میں رام کرنے کی کوشش کی اور خفیہ ایجنسیوں کے سربراہوں کی موجودگی میں ان سے استعفے کا مطالبہ کیا۔ افتخار محمد چودھری کے مستعفی ہونے سے انکار نے پرویز مشرف کے لیے ایک نیا عدالتی بحران پیدا کیا اور ملک و قوم کے لیے عدالتوں کی آزادی کی تحریک کا ایک راستہ کھل گیا۔ وکلا برادری نے آگے بڑھ کر چیف جسٹس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے فوری طور پر چند بڑے سیاسی اور دینی رہنماؤں سے مشورے کے بعد اسلام آباد میں ۱۲ مارچ کو ایک قومی مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس میں ایم ایم اے، اے آرڈی اور یونم کے علاوہ تحریک انصاف اور اے این پی کے رہنماؤں نے بھی شرکت کی۔ اس اجلاس میں وکلا، سول سوسائٹی اور مفقود الخبر افراد کے ورثا کی نمایندگی بھی تھی۔ ۹ مارچ کے بعد چیف جسٹس کو اپنے گھر میں محبوس کر دیا گیا تھا اور ان سے ملاقات پر پابندی تھی لیکن حکومت پابندی کا انکار کر رہی تھی۔ حکومت کے اس جھوٹ کی قلعی کھولنے کے لیے ہم لوگوں نے اپنے اجلاس کے فوراً بعد چیف جسٹس کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ ہمیں زبردستی وہاں جانے سے روکا گیا اور اس طرح عدلیہ کی آزادی کی تحریک عملی طور پر شروع ہو گئی۔ عدلیہ کی آزادی کی اس تحریک میں خود وکلا کی خواہش پر سیاسی جماعتوں نے بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔

عدلیہ کی آزادی

عدل و انصاف انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ جہاں عدل و انصاف ہوگا وہاں سارے مسائل خود بخود حل ہوتے رہیں گے اور تمام ادارے اپنی اپنی جگہ پر درست کام کرتے رہیں گے۔ جہاں عدل و انصاف کا ادارہ ٹوٹے گا وہاں ہر ادارہ انتشار اور افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ رب العالمین نے تمام رسولوں اور کتابوں کے بھیجنے کا مقصد یہی بیان کیا ہے کہ تمام لوگوں کو انصاف پر کھڑا کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (الحدید ۵۷:۲۵) ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اللہ کے لیے کھڑے ہونے اور انصاف کی علَم برداری، اللہ کے لیے گواہ بننے اور انصاف کے لیے گواہ بننے کو برابر قرار دیا ہے۔ فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۚ (النساء ۴:۱۳۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علَم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

اسی لیے عدلیہ کی آزادی کی تحریک میں متحدہ مجلس عمل اور جماعت اسلامی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا فیصلہ کیا کہ عدلیہ کی آزادی کے ساتھ تمام اداروں کی آزادی اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے مسائل وابستہ ہیں، اور پھر عدل و انصاف کے قیام کے لیے کھڑے ہونا ایک دینی فریضہ بھی ہے۔

عدلیہ کی بالادستی کی تحریک

فوج جب سیاسی معاملات میں مداخلت کرتی ہے تو وہ دستور اور دستور میں شامل اپنے

اس حلف کی خلاف ورزی کرتی ہے جس کے تحت وہ دستور کی پابندی اور سیاست میں مداخلت نہ کرنے کی مکلف ہے۔ نام نہاد اور بدنام زمانہ نظریۂ ضرورت کے تحت سپریم کورٹ نے ہمیشہ فوج کی اس مداخلت کے لیے جواز فراہم کیا ہے حالانکہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج صاحبان نہ صرف دستور کی پابندی بلکہ اس کی 'حفاظت' کا حلف لے کر جج بنتے ہیں' اور عدلیہ کا فرض منصبی ہی یہ ہے کہ وہ دستور کی حفاظت اور دستور کے مطابق سب کو انصاف فراہم کرے۔ جب اعلیٰ عدالتوں کے جج اپنے حلف سے منحرف ہو کر پی سی او کا حلف اٹھا کر دستور کے بجاے فوجی سربراہ کے وفادار بن جاتے ہیں تو ملک کے ادارے تباہ اور ملک کا پورا نظام تلپٹ ہو جاتا ہے۔ اس وقت پاکستان اسی حالت سے دوچار ہے اور سپریم کورٹ جن مسائل پر غور کر رہی ہے اس سے ملک کا مستقبل وابستہ ہے۔ اسے بجا طور پر 'فیصلہ کن مرحلہ' قرار دیا گیا ہے۔ اگر سپریم کورٹ مصلحتوں کا شکار ہونے کے بجاے آزادانہ فیصلہ کرتی ہے تو ہماری قومی زندگی سے تذلیل کے وہ سارے داغ دھل جائیں گے جو جسٹس منیر کے وقت سے بار بار کی فوجی مداخلت کو نظریۂ ضرورت کے تحت جواز عطا کرنے کی وجہ سے لگے ہوئے ہیں۔ ایک اچھے فیصلے سے ہمیں نئی زندگی مل جائے گی۔

عدلیہ کی آزادی کے ساتھ دستور کی بالادستی، قومی حاکمیت، بنیادی انسانی حقوق، پارلیمنٹ کی بالادستی، صوبائی خودمختاری اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے سارے اعلیٰ مقاصد حاصل اور سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اگر اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان دستور کے مطابق قرآن و سنت کی پابندی کرنے کے عہد کو پورا کریں گے تو اسلامی نظام زندگی اور اسلامی قوانین کے احیا کی قومی آرزو بھی آزاد عدلیہ اور صاحب ضمیر جج صاحبان کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہے۔ تاہم عدلیہ کی آزادی کا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان اعلیٰ و ارفع کردار کا مظاہرہ کریں گے اور اس ضابطۂ اخلاق کی مکمل پاس داری کریں گے جسے ان اعلیٰ مناصب کے حامل افراد کے لیے شریعت، قانون، اخلاق اور صحت مند روایات نے معتبر قرار دیا ہے۔ ملک بھر کے عوام جس طرح وکلا کے شانہ بشانہ چیف جسٹس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے ہیں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عوام فوجی ڈکٹیٹرشپ کے مقابلے میں آزاد عدلیہ اور دستور کی پابندی کے حامی ہیں اور امریکی دباؤ اور ذاتی خواہشات کے تحت بنیادی انسانی حقوق کو پاکستان میں جس طرح

پامال کیا جارہا ہے، اس سے نفرت کرتے ہیں۔

حکومت کی بدحواسی، ایم کیو ایم کی غنڈا گردی

آزاد عدلیہ کے حق میں عوامی حمایت کے مظاہرے سے گھبرا کر حکومت بدحواسی میں غلطی پر غلطی کر رہی ہے۔ چیف جسٹس کے راولپنڈی سے لاہور تک پرجوش عوامی استقبال کے بعد کراچی میں حکومت نے چیف جسٹس کے استقبال کو ناکام بنانے کا فیصلہ کیا۔ پرویز مشرف نے اس سلسلے میں ایم کیو ایم کا سہارا لیا اور اسے (free hand)، یعنی کھلی آزادی دے دی گئی کہ وہ کراچی میں اپنی تنظیمی قوت اور گروہی تائید و حمایت کے ذریعے طاقت کا متوازی مظاہرہ کر کے چیف جسٹس کی کراچی آمد کو روک دے۔ لیکن پرویز مشرف کو شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ کراچی میں ایم کیو ایم کی طاقت کا اصل منبع عوامی پذیرائی نہیں بلکہ گولی اور دہشت گردی کی قوت ہے۔

ایم کیو ایم کراچی میں اپنی قوت کا لوہا منوانے کے شوق میں اپنی پوری قوت سے میدان میں اتری۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور خفیہ اداروں کی مکمل سرپرستی اسے حاصل تھی۔ رینجرز اور پولیس نے 'اُوپر والوں' کی ہدایت پر خاموش تماشائی کا کردار اختیار کر کے اسے کھل کھیلنے کا ہر موقع فراہم کیا۔ الیکٹرانک میڈیا کو دہشت زدہ کر کے اسے اپنے حق میں کرنے کی پوری منصوبہ بندی کی گئی۔ ائیرپورٹ تک جانے والے سارے راستے مکمل طور پر سیل کر دیے گئے اور ان راستوں پر ایم کیو ایم کے مسلح تربیت یافتہ دہشت گرد کارکنوں نے مورچے سنبھال لیے۔ اس کے ساتھ وہ راستے کھلے رکھے گئے جہاں سے ایم کیو ایم کے جلوسوں نے گذر کر اپنی جلسہ گاہ میں پہنچنا تھا۔ دہشت کی فضا اتنی خوف ناک تھی کہ عوام کی بڑی تعداد اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئی اور ایم کیو ایم کی عوامی قوت کا مظاہرہ بھی فلاپ ہوگیا۔ سیاسی جماعتوں کے پرجوش کارکن قربانی کے جذبے کے ساتھ مختلف مقامات پر جمع ہوئے تو ایم کیو ایم کے مسلح دہشت گردوں نے انھیں روکنے کے لیے خون کی ہولی کھیلی۔ الیکٹرانک میڈیا کو دباؤ میں رکھا گیا لیکن اس کے باوجود کراچی کے ساتھ جو خونی کھیل کھیلا جا رہا تھا وہ چھپائے نہیں چھپ سکتا تھا۔ ''آج'' چینل کے دفتر کے اوپر جو کیمرے لگے ہوئے تھے، ان کے ذریعے پوری دنیا مسلح غنڈا گردی اور فوج، رینجرز اور پولیس کی بے حسی کا

تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ غنڈا گردی اور تشدد کی سیاست تو پہلے دن سے ایم کیو ایم کا شعار رہی ہے لیکن ۱۲ مئی ۲۰۰۷ء کو پہلی دفعہ ایم کیو ایم کی غنڈا گردی برہنہ ہوکر قوم اور پوری دنیا کے سامنے آگئی۔

ادھر اسلام آباد میں جنرل پرویز مشرف کی قیادت میں 'ق' لیگ عوامی طاقت کے مظاہرے کا جشن منا رہی تھی۔ میلے کا سماں تھا، سرکاری خزانے سے کروڑوں روپے بے دریغ خرچ کر کے لائے ہوئے کرائے کے لوگوں کو پورے ملک سے جمع کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ ایک جگہ بیٹھ کر تقریر سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کچھ لوگ تو کراچی کے قتل عام سے باخبر تھے اور حاضری لگوا کر واپس جا رہے تھے اور کچھ لوگ اسلام آباد کی سیر کے لیے مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے تھے۔ جلسہ گاہ سے بڑھ کر حاضری فیصل مسجد کے اطراف میں نظر آرہی تھی۔ پرویز مشرف نے اسلام آباد میں اپنی تقریر میں بڑھک ماری کہ کراچی میں 'عوامی طاقت' سے ہم نے چیف جسٹس کے دورے کو ناکام بنا دیا۔ انھیں شاید اندازہ نہیں تھا کہ کراچی میں ایم کیو ایم کی عوامی طاقت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ پوری قوم کے سامنے وہ ایک فاشسٹ اور دہشت گرد تنظیم کے طور پر برہنہ ہوچکی تھی اور ایم کیو ایم کی کھلی سرپرستی کے مظاہرے سے خود پرویز مشرف بھی دہشت گرد تنظیم کے سرپرست کے طور پر عریاں ہوچکے تھے۔ تقریباً ۵۰ شہدا اور سیکڑوں زخمیوں اور ایم کیو ایم کے ظالمانہ رویے سے پوری قوم سوگوار تھی۔ چنانچہ ۱۳ مئی کو یوم سیاہ منانے کا اعلان کیا گیا لیکن ہم نے عوام کے صدمے اور غم و جذبات کے اظہار کے لیے قومی رہنماؤں کے مشورے سے ۱۴ مئی کو پورے ملک میں عام ہڑتال کی اپیل کی، جس کا قوم نے مثبت جواب دیا اور ۱۴ مئی کو پورے ملک کے بازار اور سڑکیں سنسان ہوگئیں۔

ایم کیو ایم ۱۲ مئی کے واقعات کے بعد منہ چھپاتی پھر رہی ہے اور اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنے میں بھی ناکام ثابت ہوچکی ہے۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان نے مغربی دنیا میں اپنے تعارف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے برطانیہ کے ایوانوں میں الطاف حسین کا اصل چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے اور اگر وہ الطاف حسین کو برطانیہ کی عدالتوں میں لانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ان کی دہشت گردی کا شکار ہونے والے مظلوموں کی فریاد سننے کا دروازہ کھل جائے گا۔ ان کی دہشت گردی کا شکار ہونے والے ہزاروں افراد میں ان کے سیاسی مخالفین کے علاوہ ایک بڑی

تعداد خود ان کی اپنی پارٹی کے کارکنوں کی بھی ہے جو اپنی فریاد کے لیے کسی موقع کے منتظر ہیں۔

عوام نے وکلا کے ساتھ تحریک میں پوری طرح اپنی شمولیت کا برملا اظہار کیا تو میڈیا نے اس حقیقت کو چھپانے کے بجاے اس کی بھرپور کوریج کا اہتمام کیا۔ اس پر 'آج'، 'جیو' اور 'اے آر وائی' پر خصوصی دباؤ پڑنے لگا اور اس کے ساتھ کیبل کے مالکان کو دھونس اور دھمکی کے ذریعے آزاد چینلوں کو بلیک آؤٹ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس سب کے باوجود جب ان اداروں کے خلاف غنڈا گردی کا ہر حربہ ناکام ہو چکا تو پھر ایک نیا وار پیمرا کے قوانین میں ترمیمی آرڈی ننس کی مکروہ شکل میں کیا گیا۔ یہ حکومت کی بدحواسی کا ایک اور مظاہرہ تھا۔ اس کے بعد وکلا کے ساتھ صحافی برادری بھی کھل کر میدان میں نکل آئی۔

مجلسِ عمل کی تحریک

اس فضا میں متحدہ مجلس عمل کی پوری مرکزی قیادت نے راولپنڈی سے گوجرانوالہ، گوجرانوالہ سے فیصل آباد اور فیصل آباد سے لاہور تک کا تین روزہ تاریخی 'روڈ کارواں' چلایا، جس کی عوامی پذیرائی کا مظاہرہ پوری قوم کے سامنے آگیا۔ موجودہ عوامی تحریک کے دو بڑے مراحل ہیں۔ پہلے مرحلے میں اپوزیشن کی تمام جماعتیں متفقہ طور پر مطالبہ کر رہی ہیں کہ:

۱۔ پرویز مشرف اور حکمران ٹولہ استعفا دے۔

۲۔ قومی اتفاق راے سے ایک عبوری حکومت قائم ہو۔

۳۔ دستور کو اکتوبر ۱۹۹۹ء کے پہلے والی صورت میں بحال کر دیا جائے۔

۴۔ آزاد الیکشن کمیشن کی تشکیل کر کے منصفانہ انتخابات کی راہ ہموار کی جائے۔

دوسرے مرحلے میں انتخابات میں ہر جماعت اپنے اپنے منشور کے ساتھ انتخاب لڑے اور انتخابات جیتنے والی اکثریت کو حکومت کرنے کا موقع دیا جائے جو آئین و قانون کی حدود میں رہ کر حکومت کرنے کا حق استعمال کرے۔

ان مطالبات کو روبہ عمل لانے کے لیے متفقہ جدوجہد کی ضرورت ہے لیکن بوجوہ اب تک پیپلز پارٹی اس طرح کے اتحاد کا حصہ بننے سے کترا رہی ہے۔ لیکن اس کا یہ رویہ نہ عوام میں مقبول

ہے اور نہ پیپلز پارٹی کے کارکن ہی کھل کر اس رویے کی حمایت کرسکتے ہیں۔ اگر پیپلز پارٹی کی قیادت اپنے اس رویے پر قائم رہتی ہے تو عوام اس کو پرویز مشرف کے ساتھ خفیہ ڈیل کا حصہ سمجھیں گے۔ متحدہ مجلس عمل اور پیپلز پارٹی کے پروگرام اور داخلہ و خارجہ پالیسیوں میں بنیادی اختلاف ہے۔ پیپلز پارٹی کی قیادت کھل کر امریکا کے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہے اور پرویز مشرف کے ساتھی جرنیلوں پر 'اسلامی دہشت گردوں' کا ساتھ دینے کا الزام عائد کر رہی ہے۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ امریکا اور بھارت کے ساتھ تعلقات کے آئینے میں اپنے مستقبل کا اقتدار دیکھ رہی ہیں اور ان دونوں طاقتوں کو ابھی سے یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ وہ پرویز مشرف سے بھی بہتر اتحادی ثابت ہوسکتی ہیں لیکن اس طرح وہ عوامی تائید سے محروم ہو رہی ہیں۔ اگر بے نظیر صاحبہ نے اپوزیشن کی دوسری جماعتوں کی بار بار کی دعوت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنا الگ راستہ بنانے کی کوشش جاری رکھی تو خود ان کی پارٹی کے لیے یہ رویہ نقصان دہ ثابت ہوگا۔

عدلیہ، وکلا، صحافی برادری اور سیاسی اور دینی جماعتوں کے تحرک کے نتیجے میں پرویز مشرف اور ان کی حکومت بدحواسی کا شکار ہے۔ پرویز مشرف نے برسرعام حکمران جماعت سے شکایت کی ہے کہ انھیں میدان میں اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے اور حکمران جماعت خود اپنی بقا کے لیے بھی میدان میں اترنے سے کترا رہی ہے، جب کہ وزیراعظم شوکت عزیز نے کہا ہے کہ حکمران جماعت کے بعض ارکان اپوزیشن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، نیز سپریم کورٹ میں حکومتی وکیل ملک قیوم نے کہا ہے کہ ریفرنس کا فیصلہ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کے حق میں ہوجائے تو وزیراعظم شوکت عزیز کو استعفا دے دینا چاہیے۔ یہ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ پرویز مشرف حکومت کا چل چلاؤ ہے اور انھیں اپنے چاروں طرف سازشیں اور سازشی عناصر نظر آرہے ہیں۔ ایسے وقت میں کور کمانڈروں کا اجلاس طلب کر کے آئی ایس پی آر کی طرف سے سیاسی بیان جاری کروانا کمزوری کی علامت ہے۔ فوجی کمانڈروں کا اس نوعیت کا ایک بیان ذوالفقار علی بھٹو کے آخری ایام میں بھی جاری ہوا تھا لیکن کسی ڈکٹیٹر کے آخری ایام میں اس طرح کے بیانات سے کوئی بھی مرعوب نہیں ہوتا۔

ملک میں ایمرجنسی یا نیا مارشل لا نافذ ہونے کے خطرے کا اظہار کیا جا رہا ہے لیکن ملک کی موجودہ بحرانی کیفیت کا علاج مارشل لا یا ایمرجنسی نہیں ہے کیونکہ ملک میں پہلے ہی فوجی آمریت ہے

اور بحران کا بڑا سبب بھی یہی ہے۔ اگر کوئی فوجی جرنیل نئے مارشل لا کے نفاذ کی حماقت کرے گا تو یہ خود فوج کے حق میں سمِ قاتل ثابت ہوگا اور فوج اور عوام میں جو خلیج حائل ہوچکی ہے اس میں اضافے کا سبب بنے گا۔

مجلسِ عمل سرحد کی کارکردگی

عام انتخابات کے حوالے سے صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت کی کارکردگی ہر مجلس میں موضوعِ سخن رہتی ہے۔ اگرچہ فوجی حکومت کی وجہ سے آئین عملاً معطل ہے اور صوبوں کو آئین کے عطا کردہ اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ چیف سیکرٹری اور آئی جی پی کے دو بڑے اور اہم مناصب پر مرکز اپنی صوابدید سے اشخاص کی تعیناتی کرتا ہے اور انھیں مرکز سے براہِ راست ہدایات بھی ملتی رہتی ہیں۔ واپڈا کے ذمے صوبائی حکومت کے رائلٹی کے واجبات کی ادایگی سے کھلم کھلا پہلوتہی کی جارہی ہے لیکن اس کے باوجود صوبہ سرحد نے ہر میدان میں ترقی کی ہے۔

صحت اور تعلیم کے دو اہم شعبوں کا سابقہ ادوار کی کارکردگی سے موازنہ کیا جائے تو مجلس عمل کی حکومت کی اچھی کارکردگی بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ خواتین کے لیے الگ میڈیکل کالج قائم کیا گیا ہے اور الگ اسکولوں کی سہولت کے پیش نظر اسکول جانے والی بچیوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ ہر ضلعی ہیڈکوارٹر میں اعلیٰ درجے کی سہولتوں کے ساتھ ایک بڑا ہسپتال تعمیر کرنے کا کام جاری ہے۔ ایک آسان اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحت پر سالانہ ترقیاتی اخراجات سابقہ ادوار میں ۳۰ کروڑ روپے سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے، جب کہ مجلس عمل کی حکومت میں صحت کے شعبے کا ترقیاتی بجٹ ۳ ارب ۱۳ کروڑ تک پہنچ گیا ہے۔ صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کی حکومت سے قبل کالجوں کی کل تعداد ۱۳۴ تھی، جب کہ گذشتہ چار سالوں میں ۸۰ نئے کالج تعمیر کیے گئے۔

سب سے اہم اور نمایاں تبدیلی حکومتی ایوانوں میں کلچر اور ثقافت کی تبدیلی ہے۔ گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس سابقہ ادوار میں عیاشی کے اڈے ہوا کرتے تھے۔ اب یہ سادگی اور پاکیزگی کا نمونہ ہیں۔ وزرا باقاعدہ مساجد میں حاضری دیتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ گھلے ملے ہوئے ہیں۔ دفاتر میں

عوام کا آزادانہ آنا جانا ہے اور حکومتی ایوانوں میں صوم وصلوٰۃ کی پابندی کی وجہ سے عوام اور خواص میں حائل پردے ہٹ گئے ہیں۔ دینی جماعتوں کی باہمی آویزش ختم ہونے کی وجہ سے عوام نے سکھ کا سانس لیا ہے۔ صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کے مقابلے میں کسی علاقائی یا سیکولر سیاسی تنظیم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایم ایم اے اگر داخلی طور پر مضبوط اور مستحکم ہو تو کوئی دوسری جماعت انتخابات میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ایم ایم اے کی اس کارکردگی سے گھبرا کر عالمی قوتوں نے صوبہ سرحد میں بدامنی اور انتشار پھیلانے کی مذموم سازشیں شروع کردی ہیں۔ پہلے مرحلے میں قبائلی علاقوں میں میزائل حملوں اور بم باریوں کے ذریعے معصوم اور بے گناہ شہریوں کو نشانہ بنایا گیا۔ خاص طور پر باجوڑ اور وزیرستان میں بم باری کی گئی۔ خیبرایجنسی میں عوام کو تقسیم کرنے کے لیے پیر اور مفتی کا جھگڑا کھڑا کیا گیا۔ ہنگو، پاراچنار اور ڈیرہ اسماعیل خان میں شیعہ سنی کی تفریق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اور بعض علاقوں میں کچھ دینی عناصر کے ذریعے متشدد طالبان کا رنگ اُبھارنے کی کوشش کی گئی جو بم دھماکوں، دھمکی آمیز خطوط اور تشدد کی کارروائیوں کے ذریعے صوبے میں بدامنی اور افراتفری کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جو افراد ان کارروائیوں میں ملوث ہیں ان کا بعض حکومتی ایجنسیوں کے ساتھ تعلق صوبائی حکومت پر واضح ہے، اور اس کے شواہد موجود ہیں کہ ان کی سرپرستی مرکزی حکومت کی ایجنسیوں کی طرف سے ہورہی ہے۔

ایم ایم اے کے گرد تمام مسلمانوں کے متحد ہونے کے خدشے کے پیش نظر عالمی طاقتوں اور پرویز مشرف کی حکمت عملی ہوگی کہ خود مذہب کی بنیاد پر ایم ایم اے کے لیے دوسرے حریف پیدا کیے جائیں اور انھیں منظم کیا جائے۔ ان گروہوں میں ایک گروہ وہ ہے جو لوگوں کو ووٹ دینے اور انتخابی عمل میں شریک ہونے سے منع کرتا ہے۔ ایک گروہ کو فرقہ وارانہ بنیاد پر منظم کرکے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش ہورہی ہے۔ اسی طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں کے باوجود متحدہ مجلس عمل کے گرد لوگ اکٹھے ہورہے ہیں اور صوبہ سرحد کے بعد اب پنجاب کے عوام میں ایم ایم اے کو پذیرائی مل رہی ہے۔ حالیہ دنوں میں پنجاب میں کامیاب علما و مشائخ کانفرنسوں کا انعقاد اور مجلس عمل کے مرکزی رہنماؤں کا تین روزہ کارواں ایک روشن مستقبل کا اشارہ دے رہے ہیں۔

مجلسِ عمل پر اعتراضات

گرینڈ اپوزیشن الائنس کے لیے جب اپوزیشن جماعتوں کو دعوت دی جاتی ہے تو مجلس عمل پر مخالفین کی طرف سے دو اہم اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض ۱۷ویں آئینی ترمیم میں حکومت کا ساتھ دینے کا ہے، اور دوسرا اعتراض بلوچستان کی حکومت میں 'ق' لیگ کا حلیف ہونے کا ہے۔

سترھویں ترمیمی بل پر حکومتی پارٹی سے مفاہمت اور بلوچستان میں ق لیگ سے اتحاد بنیادی طور پر اس کمزوری کی علامت ہیں جو ملٹری سویلین اسٹیبلشمنٹ اور عدلیہ کے باہمی گٹھ جوڑ کی وجہ سے سیاسی اور دینی جماعتوں کو لاحق ہے۔ جب تک عوامی بیداری کے نتیجے میں عدل وانصاف پر مبنی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوتی ہمارا ملک اس نوعیت کی مشکلات اور الجھنوں سے دوچار رہے گا۔ ہم نے سترھویں ترمیمی بل کے موقع پر جو مفاہمت کی تھی، اس وقت ہمارا خیال تھا کہ اس طرح ہم نے پرویز مشرف کو آئینی طور پر چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے دستبردار کر کے جمہوریت کی طرف قدم آگے بڑھایا ہے، لیکن جو لوگ طاقت کے بل بوتے پر حکمران بن جاتے ہیں وہ اپنی مرضی سے نہیں جاتے۔ انھیں قانون اور عہدوپیمان کا کوئی پاس نہیں ہوتا، اور اپنے مفادات کے حصول کے لیے وہ بڑی سے بڑی بدعہدی سے بھی باز نہیں رہتے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور سترھویں ترمیم کے باب میں بھی ہمیں اور پوری قوم کو یہی تجربہ ہوا۔

ہم نے نیک نیتی سے ایک کام کیا تھا مگر فی الحقیقت ہمیں اور پوری قوم کو بلکہ پوری دنیا کو دھوکا دیا گیا۔ جب ہم نے دھوکا کھانے پر معذرت کی تو ہمارے کچھ ساتھیوں نے دلیل پیش کی کہ دھوکا کھانا گناہ نہیں ہے بلکہ دھوکا دینا گناہ ہے۔ اس لیے ہم کس بات کی معذرت پیش کریں لیکن دھوکا دینے والوں کے ساتھ بلوچستان حکومت میں شریک رہنے کی ہمارے پاس کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔ اگرچہ اس بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ہم حکومت سے نکل آئیں تو گویا گورنر راج ہوگا یا نیشنلسٹ قوتیں شریک اقتدار ہو کر مزید مشکلات پیدا کریں گی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر سیاسی مسئلے کے کئی رخ ہوتے ہیں اور جس رخ کو بھی اختیار کیا جائے اس کے لیے دلائل فراہم کیے جاسکتے ہیں۔ اگر ہم عدلیہ اور فوجی ٹولے کے درمیان موجودہ آویزش میں عوام کو منظم کر کے عدلیہ کی آزادی

کا راستہ کھول سکیں تو ہمیں اس طرح کے جوڑ توڑ (compromises) کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اللہ پر بھروسے اور صراطِ مستقیم پر چل کر ہر طرح کی مشکلات کا مقابلہ کرنا اور حق و باطل کے درمیان ہر طرح کی شراکت سے گریز کرنا ہی سیدھا راستہ ہے جس کی نشان دہی علامہ اقبالؒ نے اپنی اس دل نشیں نظم میں کی ہے:

تازہ پھر دانش حاضر نے کیا سحر قدیم — گزر اس دور میں ممکن نہیں بے چوب کلیم
عقل عیار ہے، سو بھیس بنا لیتی ہے — عشق بے چارہ نہ زاہد ہے نہ ملا نہ حکیم
عیش منزل ہے غریبان محبت پہ حرام — سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
ہے گراں سیر غم راحلہ و زاد سے تو — کوہ و دریا سے گزر سکتے ہیں مانند نسیم
مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ — ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم

عزیمت کے اس راستے پر چلنے کے لیے ایم ایم اے کے سب ساتھیوں کو آمادہ کرنا ضروری ہے۔ وقتی اختلاف رائے پر علیحدگی اختیار کرنے یا کسی کو علیحدہ کرنے کے بجائے صبر اور حکمت سے معاملات کو سلجھانا بہتر ہے اور یہی جماعت اسلامی اور ایم ایم اے کی دوسری جماعتوں کی پالیسی ہے۔ اس راستے میں مشکلات ہیں لیکن ہر مشکل کو حل کرنے کے لیے راستہ موجود ہے ؎

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

(ایسی کوئی مشکل نہیں ہے جو آسان نہ ہو سکے۔ مرد کو چاہیے کہ ہر وقت حوصلہ مند رہے۔)

پشتو میں مثل ہے کہ "پہاڑ کی چوٹی اگرچہ بلند ہے لیکن اس کے اوپر راستہ ہے"۔ ان شاءاللہ وقت آرہا ہے کہ مومنانہ بصیرت، باہمی اتحاد اور اللہ پر توکل کے ذریعے دشمنوں کے مکروفریب کا پردہ چاک ہو جائے گا اور اسلامی قوتیں کامیاب و کامران ہوں گی، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۱) اور اعلان کر دو کہ "حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے"۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ (الانبیاء ۲۱:۱۸)
مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے مِٹ جاتا ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ ○ (الصف ۶۱:۸) یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

اس آیت کا حوالہ دے کر علامہ اقبال ایمان کامل کے ساتھ فرماتے ہیں: ؎

تا خدا اَنْ يُّطْفِئُوا فرمودہ است
از فسردن ایں چراغ آسودہ است

(جب اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا ہے کہ یہ اللہ کا روشن کردہ چراغ ہے تو اس چراغ کو بجھنے کا کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے)

کچھ لوگ درحقیقت ایم ایم اے کے اتحاد کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس معذرت کو بنیاد بنا کر ایم ایم اے کی یک جہتی پر ضرب لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایم ایم اے کی دو بڑی جماعتوں کی سیاسی حکمت عملی میں کچھ امور پر اختلاف موجود ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی ان وقتی اختلافات کی بنیاد پر ایم ایم اے کے اتحاد کو توڑنا نہیں چاہتی ہے۔ اگر ایم ایم اے کے فوائد اور اس کی مشکلات کا موازنہ کیا جائے تو اس کے فوائد کہیں زیادہ اور دور رس مثبت نتائج کے حامل ہیں اور دینی جماعتوں کی یہ یکجہتی پورے مسلم معاشرے کو اغیار کی سازشوں سے بچانے اور اسے اصل چیلنج کی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ ایم ایم اے کی دعوت پر کامیاب قومی مجلس مشاورت کے بعد درج ذیل چھے افراد پر مشتمل ایک قومی رابطہ کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا جو آگے کی سیاسی تحریک کا نقشہ بنائے گی اور ان شاء اللہ عوامی تحریک کی رہنمائی کرے گی: قاضی حسین احمد، راجا ظفر الحق، مولانا فضل الرحمٰن، عمران خان، اسفند یار ولی خان، محمود خان اچکزئی۔

تبدیلی کی حکمت عملی

۷ اور ۸ جولائی کو اے آر ڈی کی طرف سے میاں نواز شریف نے لندن میں اپوزیشن جماعتوں کی ایک کانفرنس بلائی ہے۔ بے نظیر بھٹو صاحبہ کی طرف سے ابھی سے شرکت سے معذرت آئی ہے۔ پیپلز پارٹی کا وفد شرکت کرے گا لیکن اب تک کے تجربے سے یہ ثابت ہے کہ بے نظیر صاحبہ کی عدم موجودگی میں پیپلز پارٹی کا کوئی بھی وفد فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ پیپلز پارٹی کو نظرانداز کرکے فیصلے کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔ مسلم لیگ (ن) عرصے سے پیپلز پارٹی کے ساتھ چلنے میں مشکلات سے دوچار ہے لیکن اسے چھوڑ کر الگ راستہ اختیار کرنا بھی اس کے لیے بوجوہ مشکل ہے۔ اپوزیشن اور ملک کے سیاسی مستقبل کے لیے بھی مفید راستہ یہ ہے کہ دستور کی بالادستی، عدلیہ کی آزادی اور فوجی آمریت سے نجات کی جدوجہد میں زیادہ سے زیادہ قومی اتفاق راے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کی ایک بار پھر پوری کوشش ہونی چاہیے لیکن وقت اس بات کا تقاضا کر رہا ہے کہ اب فیصلے کی گھڑی آن پہنچی ہے اور انتظار اور مزید کوشش کے لیے کوئی گنجایش باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے اب یکسوئی اختیار کرنا اور عملی جدوجہد کو مہمیز دینا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

ایک مستحکم اسلامی سیاسی جمہوری پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ دستور اور قانون کی بالادستی قائم کی جائے۔ عدلیہ کی آزادی یقینی بنا دی جائے اور عوام کو دینی تشخص رکھنے والی سیاسی جماعتوں کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔ عوام کی تنظیم کے بغیر دستور کی بالادستی اور عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنانا ممکن نہیں ہے۔ متحدہ مجلس عمل میں شامل جماعتوں کی جڑیں عوام میں گہری ہیں لیکن مشترکات پر متحد ہونے کے باوجود جماعت اسلامی کے سوا باقی جماعتیں اب تک اپنے اپنے مسلک کے دائرے سے اوپر نہیں اٹھ سکیں۔ جماعت اسلامی اگرچہ اپنی تنظیمی قوت اور کارکنان کی اعلیٰ مقاصد کے ساتھ وابستگی کے سبب ایک مضبوط سیاسی جماعت ہے اور الحمدللہ عوام میں اچھی شہرت اور پذیرائی رکھتی ہے لیکن بڑے پیمانے پر عوام کو اپنے ساتھ وابستہ کرنے اور عام آدمی کو یہ یقین دلانے میں کہ 'جماعت اسلامی اس کی ہے اور وہ جماعت اسلامی کا ہے' ابھی بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام کچھ مدت پیش تر ممبرسازی مہم اور محلہ وار رابطہ کمیٹیوں کے قیام کے ذریعے شروع کیا گیا تھا

لیکن نامکمل رہ گیا تھا۔ اب جماعت نے نئے سرے سے اس کا آغاز کردیا ہے۔

اگر ہم ۱۵ کروڑ کی آبادی میں ۱۰ فی صد یعنی ڈیڑھ کروڑ مرد اور خواتین کو ممبر بنا کر رابطہ کمیٹیوں کے ذریعے منظم کرسکیں اور مجلس عمل کی دوسری جماعتیں بھی اپنے اپنے دائرے میں منظم اور عوامی پذیرائی حاصل کرلیں، اور ساتھ ہی ہم اس میں کامیاب ہوجائیں کہ مجلس عمل میں شامل جماعتوں کے افراد کو قدر مشترک اور درد مشترک پر جمع کر کے ایک جماعت ہونے کا احساس ابھار سکیں، اور دین کے ساتھ وابستگی رکھنے والے تمام افراد میں 'ترجیحات' کے بارے میں صحیح فہم اور یکسوئی پیدا کرسکیں کہ وہ فروعی اختلافات سے اٹھ کر اعلاے کلمۃ اللہ کے مقصد پر متحد ہوجائیں اور قرآن وسنت کی مشترک بنیاد کو مرکز و محور بنا کر آپس میں ایک دوسرے کی تعبیر کو تسلیم کرلیں، اور ایک دوسرے کے لیے دل میں جگہ پیدا کرلیں تو متحدہ مجلس عمل ایک مستحکم اسلامی، جمہوری، فلاحی اور وفاقی پاکستان کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس کے لیے قیادت اور کارکنوں کا اخلاص اور للّٰہیت سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ اخلاص اور للّٰہیت سے ہی قربانی کا جذبہ اور محنت شاقہ کی عادت پنپ سکتی ہے۔

پوری اسلامی دنیا میں ہر جگہ عوام دینی طور پر بیدار ہو رہے ہیں اور اغیار کی سازشوں سے باخبر بھی ہو رہے ہیں کیونکہ میڈیا کے اس دور میں کوئی بھی بات چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی۔ امریکی دانش ور جس طرح مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے منصوبے پیش کر رہے ہیں اور مسلمانوں ہی میں سے اپنے ڈھب کے لوگوں کو منظم کرنے اور انھیں مسلمانوں کے خلاف میدان میں لانے کی تیاری کر رہے ہیں، وہ انفارمیشن ٹکنالوجی کے عام ہونے کی وجہ سے مسلمان نوجوانوں سے مخفی نہیں ہیں۔ اگرچہ فحش اور بے حیائی عام کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو اس کے ذریعے بے ہمت اور بودہ بنانے کی کوششیں بھی بڑے منظم انداز میں اور بڑے پیمانے پر ہو رہی ہیں لیکن مسلمانوں کی بڑی اکثریت حالات حاضرہ اور سیاسی تجزیوں پر مشتمل پروگراموں میں دل چسپی لینے لگی ہے۔

اس رجحان کی وجہ سے آمرانہ فوجی حکومت کو پیمرا آرڈیننس میں ایسی ترامیم کرنی پڑی ہیں جو اظہار راے اور پریس کی آزادی کے منافی ہیں۔ اس ترمیمی آرڈی ننس کے خلاف جو شدید ردعمل صحافی برادری میں نمودار ہوا، حکومت اس سے گھبرا گئی اور پرویز مشرف کو پسپائی اختیار

کر کے اس ترمیم کو واپس لینا پڑا۔ تاہم حالیہ عوامی بیداری اور خاص کر ۱۲ مئی کو ایم کیو ایم اور پرویز مشرف کا دہشت گرد چہرہ لوگوں کو دکھانے میں میڈیا نے جو کردار ادا کیا ہے اور اب تک بڑی حد تک میڈیا اپنے اس آزادانہ کردار پر قائم ہے' وہ عوامی بیداری کے ایک نئے دور کی نوید سنا رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ۱۹۰۷ء میں اسلام کے روشن مستقبل کی جو خوش خبری سنائی تھی' اس میں بھی 'بے حجابی' اور تمام حقائق کے آشکارا ہونے کا ذکر ہے:

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا		سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
سنا دیا گوشِ منتظر کو حجاز کی خامشی نے آخر		جو عہد صحرائیوں سے باندھا گیا تھا پھر استوار ہوگا
نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا		سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

ان حالات میں ہمارا پیغام صرف ایک ہے۔ اس نازک اور فیصلہ کن لمحے میں کوئی باشعور مسلمان خاموش تماشائی نہیں بن سکتا۔ یہ وقت اپنی آزادی' اپنے ایمان' اپنی شناخت' اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنی اور اپنی آنے والی نسلوں کی حفاظت کی جدوجہد میں سردھڑ کی بازی لگا دینے کا وقت ہے۔ یہ وقت فیصلہ' یکسوئی' جدوجہد اور قربانی کا وقت ہے' اور اللہ سے اپنے کیے ہوئے عہدوفا کو پورا کرنے کا وقت ہے۔ جماعت اسلامی اور متحدہ مجلس عمل پوری قوم کو اس ملک عزیز کی بقا' استحکام اور اس کے نظریاتی کردار کی ادایگی کی اس تاریخی جدوجہد میں بھرپور شرکت کی دعوت دیتی ہے ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے' تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

شیعہ سنی مکالمہ ' وقت کی ضرورت

نظر حجازی°

دیوار برلن کو گرے ہوئے دو عشروں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ یورپ سمیت دنیا کے مختلف ممالک مضبوط تر بلاک بنانے میں مصروف ہیں مگر ایک اُمت مسلمہ ہے جسے ٹکڑیوں میں بانٹنے کے لیے بغداد میں دیوار تعمیر ہو رہی ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان باڑ لگائی جا رہی ہے اور ایران' پاکستان کی سرحد پر رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ اُمت مسلمہ اپنے نازک ترین دور سے گزر رہی ہے۔ ۱۴سو سالہ تاریخ میں خون مسلم اتنا ارزاں نہیں ہوا جتنا آج ہے۔ یہ اُمت اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں کئی بحرانوں سے گزر چکی ہے۔ کبھی تاتاریوں نے اس پر حملہ کیا تو کبھی صلیبی یلغار نے اس کے وجود کو مٹانے کی کوشش کی۔ دور جدید میں مغربی استعمار نے اس کی شناخت مسخ کرنے کی پوری کوشش کی مگر اس دین نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ بڑے سے بڑے بحران کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس دین کے مزاج میں زیر ہو کر رہنا نہیں۔ یہ حق کا غلبہ اور دیگر باطل ادیان کو سچی الہامی ہدایت کے سایے میں لانا چاہتا ہے کہ یہی خالق کائنات کی مرضی ہے۔ اس چراغ کو پھونکوں سے بجھایا نہیں جا سکتا۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں اس پر حملے ہوتے رہے مگر ہر حملہ آور پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس دین کے پیروکاروں کو زیر کرنے کے لیے اس میں نقب لگانا ضروری ہے۔ اُمت سے تعلق

° جدہ، سعودی عرب

رکھنے والے چند افراد کا ایمان وضمیر خریدنے پر ہر حملہ آور مجبور ہوا کہ اس کے بغیر اسے تمکنت حاصل نہ ہوسکی۔ اس کارگر طریقہ کار کے علاوہ نقب لگانے والے دشمنوں نے ایک اور چال یہ چلی کہ اُمت میں تفرقے کو ہوا دی۔ مسالک اور گروہوں میں بٹی اُمت کا ہر گروہ خود کو حق پر اور دوسرے کو غلط سمجھتا رہا۔ دور جدید کا ہلاکو بھی اُمت پر اپنا حق حکمرانی جتاتا ہے مگر اپنے پیش رووں کی طرح اسے بھی معلوم ہے کہ اُمت میں نقب لگانے کے لیے کارگر نسخہ یہی ہے کہ اس کی وحدت کو ختم کر دیا جائے اور تفرقہ بازی کو اس قدر ہوا دی جائے کہ اُمت کے افراد باہم دست وگریباں ہوجائیں۔

اُمت کو گروہوں میں بانٹنا فرعون کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے ہمیں ملتا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا (القصص ۲۸:۴)
واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کردیا۔

قرآن مجید میں فرعون کا ذکر ۷۰ سے زاید مقامات پر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرعون ایک شخص کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا کردار ہے جس سے تاریخ کے مختلف ادوار میں اُمت کو سابقہ پڑا۔ موجودہ دور میں اُمت کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو مختلف واقعات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ہمارے دشمن فرعون کے وتیرے کا دوبارہ احیا کرتے ہوئے ہمیں ٹکڑیوں میں بانٹنے کی سعیِ مذموم کررہے ہیں۔ پاکستان میں پارہ چنار کے واقعات سے لے کر بغداد میں سنی شیعہ آبادی کے درمیان دیوار کی تعمیر، اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ ہمارے دشمن شیعہ سنی فسادات کو ہوا دینے میں جتے ہوئے ہیں۔ ستم بالاے ستم یہ کہ دونوں گروہوں کے سادہ لوح پیروکار خود کو حق پر کاربند اور دوسرے کو باطل کا پیروکار قرار دے رہے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اُمت کے دونوں گروہ جس قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اس کی واضح ہدایت ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ (الانعام ۶: ۱۵۹) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمھارا کچھ واسطہ نہیں۔

شیعہ اور سنی، مسلمانوں کے دو بنیادی فرقے ہیں جن کے درمیان ۱۴صدیاں پہلے خوں ریزیاں ہوچکی ہیں۔ان اختلافات پر اب زمانوں کی گرد پڑی ہوئی ہے۔اس گرد کو جھاڑنا نادانی ہی نہیں بلکہ خودکشی ہے۔ فتنے کا سر کچلنا اُمت کے ہر صاحب شعور کا فرض ہے۔ ان خوں ریزیوں کو یاد کرنا سوئے ہوئے فتنے کو جگانے کے مترادف ہے۔ یہ بات تو مسلمہ ہے کہ ہمارا مشترکہ دشمن اس گرد کو جھاڑ کر دونوں فرقوں میں سے کسی کی خدمت نہیں کر رہا بلکہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے قدیم اصول پر عمل پیرا ہے۔ ۱۱ستمبر کے بعد ہمارے دشمن نے ہمیں زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر آخر کار وہ فرعون کے طریقے پر عمل پیرا ہونے پر مجبور ہوا۔ پاکستان اور عراق سمیت مختلف مسلم ممالک میں شیعہ سنی تصادم کو ہوا دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ دشمن اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ اُمت کو زیر کرنے کے لیے جو کام اسے انجام دینا ہے، وہ کام اُمت کو تفرقے میں ڈال کر خود اسی کے ہاتھوں لیا جاسکتا ہے۔

اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متعدد مسالک اور فرقے بذات خود معیوب نہیں، نہ یہ اجماع اُمت میں ہی مخل ہیں بلکہ مختلف مکاتب فکر سے پیدا ہونے والا تنوعِ افکار، اُمت کی تقویت کا باعث ہے۔ مختلف مکاتب فکر کی موجودگی دین میں آزادیِ اظہار اور آزادیِ فکر کا باعث ہے۔ ہر مکتب فکر کا اپنا تشخص ہے جسے کسی طور مسخ کیا جاسکتا ہے نہ نظرانداز۔ صدیوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں میں دو مکاتب فکر' شیعہ اور سنی' میں ہر ایک کے اپنے نظریات و افکار ہیں۔ تنوعِ افکار کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔ علماے اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ چند اصولی اور بیش تر فروعی اختلافات کے باوجود اہلِ تشیع اُمت کا حصہ ہیں اور مل جل کر رہنا ہی سب کے لیے زندگی اور ترقی کا راستہ ہے۔ موجودہ دور کے جید علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں کے کسی گروہ کو کافر یا خارج از ملت قرار نہیں دیا جاسکتا، نیز ملت سے اخراج کا فیصلہ افراد کے ذمے نہیں بلکہ یہ شرعی عدالت کا کام ہے۔ اس میں یہ اصول بھی طے ہے کہ انفرادی اعمال کا انطباق اجماع پر نہیں کیا جاتا۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ دین اسلام، مسلمان کی عزت و آبرو اور اس کی جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ کسی سنی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی شیعہ کو برا کہے، نہ کسی شیعہ کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی سنی کی عزت پر

حملہ کرے۔ مسلمان خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی' دونوں کے درمیان بے شمار مشترکہ اقدار ہیں۔ وہ ایک اللہ، ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ایک قبلہ اور ایک قرآن کریم کو مانتے ہیں۔ دین کی بنیادی چیزوں پر دونوں کا اتفاق ہے' ایک آدھ مسئلے کے سوا سارے اختلافات فروعی ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فروعی معاملات میں تو اختلاف خود سنی مسالک میں بھی ہے۔ ان اختلافات کو اپنی حدود میں رہنا چاہیے اور تفرقہ اور تصادم کا ذریعہ ہرگز نہیں بننے دینا چاہیے۔

اُمت کے دشمن صدیوں پرانے تفرقے کو ہوا دے کر اُمت کی وحدت کو مٹانے کے درپے ہیں۔ اُمت کے مفکرین، اہل قلم اور عوام کو دشمن کی چالوں سے باخبر رہنا چاہیے۔ دونوں مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علما پر بھاری ذمہ داری ہے اور وقت کی ضرورت ہے کہ عوام الناس کو بتایا جائے کہ ہمارا مسلک صحیح ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے مسالک غلط ہیں۔ ہم نے جس طرح نصوص کو سمجھا ہے، ضروری نہیں کہ دوسرا بھی اسی طرح ان نصوص کو سمجھے۔ دونوں مکاتب فکر کے مابین قدرِ مشترک کو ایک دوسرے سے قربت کا ذریعہ بنایا جائے اور جن باتوں میں اختلاف ہے' انھیں اچھالنے سے گریز کیا جائے۔ آج سب سے زیادہ زور تہذیبوں کے درمیان مکالموں پر دیا جارہا ہے مگر ایک ہی تہذیب کے پیروکاروں کے مابین مکالمے کی ضرورت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

دونوں مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے افراد اور گروہوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وقت ہمارا ساتھ نہیں دے رہا۔ ہماری سرحدیں محفوظ ہیں نہ ہمارے ہوائی اڈے دشمن کی دسترس سے باہر ہیں۔ دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے فوجی اڈے اور جنگی بیڑے ہمارے چاروں طرف ہیں۔ اس کے دور مار میزائلوں کا نشانہ ہمارے شہر اور دیہات ہیں۔ اس کی نظر میں شیعہ، سنی کی کوئی تفریق نہیں۔ یہ نازک ترین وقت تصادم کا نہیں تفاہم کا ہے، دوری کا نہیں قربت کا ہے۔ طوفان ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے اور ہم اس سے غافل ہیں ؎

میری مانو چلو منجدھار میں موجوں سے ٹکرائیں
وگرنہ دیکھنا، ساحل پہ سارے ڈوب جائیں گے

اہل ایمان اور فرشتے

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوتے ہیں' ان کے لیے دعاے رحمت و مغفرت کرتے ہیں' مدح و ثنا کرتے ہیں اور ان پر سلام بھیجتے ہیں۔ قرآن میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ہم یہ مقامات پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج (حٰم السجدۃ۴۱:۳۰-۳۱) جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے' یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو' نہ غم کرو' اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اِس دُنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی''۔

فرشتوں کا یہ نزول ضروری نہیں ہے کہ کسی محسوس صورت میں ہو اور اہلِ ایمان اُنھیں آنکھوں سے دیکھیں یا ان کی آواز کانوں سے سنیں۔ اگرچہ اللہ جل شانہٗ جس کے لیے چاہے فرشتوں کو علانیہ بھی بھیج دیتا ہے' لیکن بالعموم' اہلِ ایمان پر خصوصاً سخت وقتوں میں جب کہ دشمنانِ حق کے ہاتھوں وہ بہت تنگ ہو رہے ہوں' ان کا نزول غیر محسوس طریقے سے ہوتا ہے' اور اُن کی باتیں کان کے پردوں سے ٹکرانے کے بجائے دل کی گہرائیوں میں سکینت و اطمینانِ قلب بن کر اُترتی

ہیں۔ بعض مفسرین نے فرشتوں کے اِس نزول کو موت کے وقت، یا قبر، یا میدانِ حشر کے لیے مخصوص سمجھا ہے۔ لیکن اگر اُن حالات پر غور کیا جائے جن میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں رہتا کہ یہاں اس معاملے کو بیان کرنے کا اصل مقصد اِس زندگی میں دین حق کی سربلندی کے لیے جانیں لڑانے والوں پر فرشتوں کے نزول کا ذکر کرنا ہے، تاکہ انھیں تسکین حاصل ہو، اور ان کی ہمت بندھے، اور ان کے دل اس احساس سے مطمئن ہو جائیں کہ وہ بے یار و مددگار نہیں ہیں بلکہ اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ ہیں۔ اگرچہ فرشتے موت کے وقت بھی اہلِ ایمان کا استقبال کرنے آتے ہیں، اور قبر (عالمِ برزخ) میں بھی وہ ان کی پذیرائی کرتے ہیں، اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز بھی ابتداے حشر سے جنت میں پہنچنے تک وہ برابر اُن کے ساتھ لگے رہیں گے، لیکن ان کی یہ معیت اسی عالم کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں بھی وہ جاری ہے۔ سلسلۂ کلام صاف بتا رہا ہے کہ حق و باطل کی کش مکش میں جس طرح باطل پرستوں کے ساتھی شیاطین و اشرار ہوتے ہیں اسی طرح اہلِ ایمان کے ساتھی فرشتے ہوا کرتے ہیں۔ ایک طرف باطل پرستوں کو ان کے ساتھی ان کے کرتوت خوش نما بنا کر دکھاتے ہیں اور انھیں یقین دلاتے ہیں کہ حق کو نیچا دکھانے کے لیے جو ظلم و ستم اور بے ایمانیاں تم کر رہے ہو، یہی تمھاری کامیابی کے ذرائع ہیں اور انھی سے دنیا میں تمھاری سرداری محفوظ رہے گی۔ دوسری طرف حق پرستوں کے پاس اللہ کے فرشتے آکر وہ پیغام دیتے ہیں جو آگے کے فقروں میں ارشاد ہو رہا ہے۔

یہ بڑے جامع الفاظ ہیں جو دنیا سے لے کر آخرت تک ہر مرحلے میں اہلِ ایمان کے لیے تسکین کا ایک نیا مضمون اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اِس دنیا میں فرشتوں کی اس تلقین کا مطلب یہ ہے کہ باطل کی طاقتیں خواہ کتنی ہی بالادست اور چیرہ دست ہوں، اُن سے ہرگز خوف زدہ نہ ہو اور حق پرستی کی وجہ سے جو تکلیفیں اور محرومیاں بھی تمھیں سہنی پڑیں، ان پر کوئی رنج نہ کرو، کیونکہ آگے تمھارے لیے وہ کچھ ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر نعمت ہیچ ہے۔ یہی کلمات جب موت کے وقت فرشتے کہتے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آگے جس منزل کی طرف تم جا رہے ہو وہاں تمھارے لیے کسی خوف کا مقام نہیں ہے، کیونکہ وہاں جنت تمھاری منتظر ہے، اور دنیا میں جن کو تم چھوڑ کر جا رہے ہو ان کے لیے تمھیں رنجیدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہاں ہم

تمھارے ولی و رفیق ہیں۔ عالمِ برزخ اور میدانِ حشر میں جب فرشتے یہی کلمات کہیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہاں تمھارے لیے چین ہی چین ہے، دنیا کی زندگی میں جو حالات تم پر گزرے ان کا غم نہ کرو، اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے، اس کا خوف نہ کھاؤ، اس لیے کہ ہم تمھیں اُس جنت کی بشارت دے رہے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔(تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۴۵۴-۴۵۶)

فرشتوں کا دعاگو ہونا

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ○ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ○ (الاحزاب ۳۳:۴۳-۴۴) وہی ہے جو تم پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے ملائکہ تمھارے لیے دُعاے رحمت کرتے ہیں تاکہ وہ تمھیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے، وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ جس روز وہ اس سے ملیں گے اُن کا استقبال سلام سے ہوگا اور اُن کے لیے اللہ نے بڑا باعزت اجر فراہم کر رکھا ہے۔

اس سے مقصود مسلمانوں کو یہ احساس دلانا ہے کہ کفار و منافقین کی ساری جلن اور کڑھن اُس رحمت ہی کی وجہ سے ہے جو اللہ کے اِس رسول کی بدولت تمھارے اُوپر ہوئی ہے۔ اُسی کے ذریعے سے ایمان کی دولت تمھیں نصیب ہوئی، کفر و جاہلیّت کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے، اور تمھارے اندر یہ بلند اخلاقی و اجتماعی اوصاف پیدا ہوئے جن کے باعث تم علانیہ دوسروں سے برتر نظر آتے ہو۔ اسی کا غصہ ہے جو حاسد لوگ اللہ کے رسولؐ پر نکال رہے ہیں۔ اس حالت میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کر بیٹھنا جس سے تم خدا کی اس رحمت سے محروم ہو جاؤ۔ صلوٰۃ کا لفظ جب علٰی کے صِلے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حق میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی رحمت، مہربانی اور شفقت کے ہوتے ہیں۔ اور جب ملائکہ کی طرف سے انسانوں کے حق میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے معنی دعاے رحمت کے ہوتے ہیں، یعنی ملائکہ انسانوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ تو اِن پر فضل فرما اور اپنی عنایات سے انھیں سرفراز کر۔

ایک مفہوم یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ کا یہ بھی ہے کہ یشیع عنکم الذکر الجمیل فی عباد اللّٰہ' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے بندوں کے درمیان نام وری عطا فرماتا ہے اور تمھیں اس درجے کو پہنچا دیتا ہے کہ خلقِ خدا تمھاری تعریف کرنے لگتی ہے اور ملائکہ تمھاری مدح و ثنا کے چرچے کرتے ہیں۔

اصل الفاظ ہیں: تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَہٗ سَلٰمٌ ''ان کا تحیہ اس سے ملاقات کے روز سلام ہوگا''۔ اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود السلام علیکم کے ساتھ ان کا استقبال فرمائے گا' جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (۳۶:۵۸)۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ ان کو سلام کریں گے' جیسے سورۂ نحل میں ارشاد ہوا: اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ''جن لوگوں کی رُوحیں ملائکہ اس حالت میں قبض کریں گے کہ وہ پاکیزہ لوگ تھے' اُن سے وہ کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر' داخل ہو جاؤ جنت میں اپنے اُن نیک اعمال کی بدولت جو تم دنیا میں کرتے تھے'' (۳۲:۱۶)۔ تیسرے یہ کہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں گے' جیسے سورۂ یونس میں فرمایا: دَعْوٰھُمْ فِیْھَا سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، ''وہاں ان کی صدا یہ ہوگی کہ خدایا' پاک ہے تیری ذات' ان کا تحیہ ہوگا سلام' اور اُن کی تان ٹوٹے گی اس بات پر کہ ساری تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے'' (۱۰:۱۰)۔ (ایضاً' ص ۱۰۴-۱۰۵)

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ج (المومن ۴۰:۷) عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے' اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں' سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دُعاے مغفرت کرتے ہیں۔

یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تسلی کے لیے ارشاد ہوئی ہے۔ وہ اس وقت کفارِ مکّہ کی زبان درازیاں اور چیرہ دستیاں' اور ان کے مقابلے میں اپنی بے بسی دیکھ دیکھ کر سخت دل شکستہ ہو رہے تھے۔ اس پر فرمایا گیا کہ اِن گھٹیا اور رذیل لوگوں کی باتوں پر تم رنجیدہ کیوں ہوتے

ہو، تمھارا مرتبہ تو وہ ہے کہ عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور عرش کے گرد و پیش حاضر رہنے والے ملائکہ تک تمھارے حامی ہیں اور تمھارے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارشیں کر رہے ہیں۔ عام فرشتوں کے بجاے عرشِ الٰہی کے حامل اور اس کے گرد و پیش حاضر رہنے والے فرشتوں کا ذکر یہ تصور دلانے کے لیے کیا گیا ہے کہ سلطنت خداوندی کے عام اہل کار تو درکنار، وہ ملائکہ مقربین بھی جو اس سلطنت کے ستون ہیں اور جنھیں فرماں رواے کائنات کے ہاں قرب کا مقام حاصل ہے، تمھارے ساتھ گہری دل چسپی و ہمدردی رکھتے ہیں۔ پھر یہ جو فرمایا گیا کہ یہ ملائکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعاے مغفرت کرتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کا رشتہ ہی وہ اصل رشتہ ہے جس نے عرشیوں اور فرشیوں کو ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، اور اسی تعلق کی وجہ سے عرش کے قریب رہنے والے فرشتوں کو زمین پر بسنے والے ان خاکی انسانوں سے دل چسپی پیدا ہوئی ہے جو انھی کی طرح اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتوں کے اللہ پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کفر کر سکتے تھے، مگر انھوں نے اسے چھوڑ کر ایمان اختیار کیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا اقتدار مانتے ہیں کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہے جو انھیں حکم دینے والی ہو اور وہ اس کے آگے سرِ اطاعت جھکاتے ہوں۔ یہی مسلک جب ایمان لانے والے انسانوں نے بھی اختیار کر لیا تو اتنے بڑے اختلافِ جنس اور بُعدِ مقام کے باوجود اُن کے اور فرشتوں کے درمیان ہم مشربی کا مضبوط تعلق قائم ہوگیا۔ (ایضاً، ص ۳۹۴)

دعوت و ذکر بہ طریق جدید

62

ٹکنالوجی کے اس دور میں' مشغولیات کی ہاہا کار میں' باقاعدہ ملاقات کی عدم دستیابی میں' اس وقت ایک نیا طریقۂ کار پھیلتا جارہا ہے۔ ہر روز اربوں کی تعداد میں مختصر پیغامات ٹیلی فون اور کمپیوٹر کے ذریعے ایک فرد سے دوسرے فرد یا افراد کو منتقل ہوتے ہیں ___ پیغام رسانی ہوا کی طرح رچ بس گئی ہے۔ نامکمل جملوں' غیر مانوس اشاروں' ادھورے الفاظ پر مشتمل یہ پیغامات دعوت و ذکر کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔

اسلام اندازِ بیان میں ویسے ہی اختصار و جامعیت کی تعلیم دیتا ہے۔قرآن وسنت کا انداز بھی یہی ہے۔کلمہ طیبہ' السلام علیکم' بسم اللہ' الحمدللہ ___ مختصر الفاظ سمندر سے زیادہ گیرائی اور وسعت رکھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں' چاہے آمنے سامنے کہی جائیں یا لہروں پر منتقل کی جائیں ___ ان کو مؤثر پیرایے میں مطلوبہ نتیجے تک پہنچنے کا باعث ہونا چاہیے۔ یہ باتیں یاد رہتی ہیں اور کتابوں سے زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ الفاظ پیغام کا روپ ہوتے ہیں' ان کا چناؤ سوچ سمجھ کر کریں۔

- امید اور حوصلہ مندی زندگی کی متاع ہے' اس کو فراہم کریں
- توجہ دلانے سے کام آگے بڑھتا ہے' بہتر ہوتا ہے۔ معمولی توجہ بڑے نتائج دکھا سکتی ہے
- نصیحت اور خیرخواہی کی کوئی انتہا نہیں' یہ بجائے خود رابطے کا بہانا بن سکتی ہے
- اطلاع' معلومات' خبر پہنچانا ایک ضروری عمل ہے۔
- دعا لینا اور دعا دینا' دونوں ہی کا فائدہ ہے۔

آج کے معاشرے میں ہر فرد ایک ناشر اور مبلغ بن سکتا ہے۔ انگلیوں کی معمولی حرکات' حیرت انگیز نتائج دکھا سکتی ہیں ___ ٹکنالوجی کی اس طاقت کا مثبت استعمال کیجیے۔ روشنی پھیلایئے اور تاریکی سمیٹنے کا ذریعہ بن جایئے۔

سنابل العلم

تربیتِ اولاد میں باپ کا خصوصی کردار

شمع سلیم ۰

عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ تربیت اولاد کا معاملہ بھی امورِ خانہ داری ہی کی کوئی شاخ ہے اور چونکہ گھر کے اندر کا میدان خواتین ہی کے لیے مخصوص سمجھا جاتا ہے' اس لیے تربیتِ اولاد صرف ماں کی ذمہ داری ہے۔ بے شک تربیت کا یہ کام ہوتا گھر کے اندر ہی ہے' اِس سے بھی انکار نہیں کہ یہ امورِ خانہ داری ہی کی ایک شاخ ہے مگر گھر کے اِس کام کو دوسرے تمام امور پر ویسی ہی برتری حاصل ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی کائنات کی تمام مخلوق میں انسان کو حاصل ہے۔ یہ ان ذمہ داریوں میں سے ہے جن کے اہتمام پر اسلام نے بہت زور دیا ہے اور ماں باپ دونوں کو اُن کے بدرجۂ اتم پورا کرنے پر اُبھارا ہے۔ قرآن وحدیث کا مطالعہ اِس بات پر دلیل ہے کہ یہ دونوں کے کرنے کا کام ہے۔ چند آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

> یاد کرو جب لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے کہا بیٹا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان ۳۱:۱۳-۱۹)
>
> اور ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اسی دین اسلام پر چلنے کی وصیّت کی' اور یہی وصیت یعقوبؑ اپنی اولاد کو کر گیا۔ اُس نے کہا تھا کہ ''میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے' لٰہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا'' پھر کیا تم اس وقت موجود تھے' جب یعقوبؑ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ اُس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا: بچو!

---

۰ جبیل' سعودی عرب

میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے۔ ان سب نے جواب دیا ہم سب اُسی ایک اللہ کی بندگی کریں گے جسے آپؑ نے اور آپؑ کے بزرگوں: ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ نے خدا مانا اور ہم اسی کے مسلم ہیں''۔(البقرہ ۲:۱۳۲-۱۳۳)

اور اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس کے پابند رہو۔(طٰہٰ ۲۰:۱۳۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور گھر والوں کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔(التحریم ۶۶:۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کی نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے متعدد بار اس کی تاکید و وصیت فرمائی۔ چند احادیث درج ذیل ہیں:

اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔(ابن ماجہ)

اللہ اُس والد پر رحم کرے جو بھلائی میں اپنے بچے کی معاونت کرے۔(کتاب الثواب)

مرد اپنے گھر کا رکھوالا (راعی) ہے اور اُس سے اس کی رعیت (گھر والوں) کے بارے میں باز پُرس ہوگی۔(بخاری، مسلم)

کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ نہیں دیا۔(ترمذی)

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی و احادیث مبارکہ سے آخر کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری صرف ماں پر ڈالی گئی ہے، بلکہ ان سے تو پتا چلتا ہے کہ یہ ایک مشترکہ عمل ہے جو میاں بیوی باہمی تعاون سے آپس میں مل جل کر کرتے ہیں۔ اسی لیے سلف صالحین اپنے بچوں کی تربیت کے لیے اعلیٰ فضا مہیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے بنی اُمیہ کے جیل خانے میں قیدیوں سے دریافت کیا کہ قید کے دنوں میں آپ لوگوں کو سب سے زیادہ تکلیف کس چیز سے ہوئی؟ انھوں نے بتایا کہ اس چیز سے کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت کرنے سے محروم رہ گئے۔(تربیتِ اولاد کا اسلامی نظام، عبداللہ ناصح علوان)

تعلیم و تربیت کا مفہوم

آیئے سب سے پہلے 'تعلیم و تربیت' کے معنی پر غور کرتے ہیں:

تعلیم: سکھانا، تلقین، ہدایت، تربیت۔

تربیت: پرورش' پرداخت (دیکھ بھال' حفاظت)' تعلیم وتہذیب' تعلیمِ اخلاق۔ (فیروز اللغات اُردو جدید، نیا اڈیشن)

معلوم ہوا تعلیم سے مراد علم حاصل کرنے کی وہ کیفیت ہے جو بہرحال اپنی انتہا کو پہنچ سکتی ہے۔ چند خال خال اشخاص ہی ملیں گے جو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ڈگریاں جمع کرنے پر صَرف کردیتے ہیں ورنہ آدمی اپنی تعلیم کا سلسلہ ایک حدتک جاکر منقطع کردیتا ہے' جب کہ تربیت کا سلسلہ مرتے دم تک چلتا رہتا ہے۔ زندگی کے ابتدائی چند سال نہایت مؤثر ہوتے ہیں۔ موقع محل کی مناسبت سے اپنے اندر مناسب تبدیلی لانا' ہمہ وقت اپنا احتساب مدنظر رکھنا وغیرہ ایک نہ ختم ہونے والی تربیت ہی کا حصہ ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تربیت ہی تعلیم کو چمکاتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد اگر اچھی تربیت سے بھی آراستہ ہو تو اپنا الگ نمایاں مقام پیدا کرلیتا ہے اور مہذب بھی کہلاتا ہے' جب کہ تربیت سے تہی دامن تعلیم یافتہ فرد معاشرے میں خاطرخواہ مقام حاصل کرنے سے قاصر رہتا ہے۔

دوسری طرف ایک بہترین تربیت یافتہ فرد اگر کسی وجہ سے زیادہ اعلیٰ تعلیم نہ بھی حاصل کرسکے تو اس کی تھوڑی سی حاصل شدہ تعلیم بھی اسے معاشرے میں اچھا مقام عطا کرتی ہے۔ شاید اسی لیے کسی عقل مند کا قول ہے کہ ''نرا علم کافی نہیں ہوتا لیکن نری صحبت کافی ہوجاتی ہے''۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں تعلیم یافتہ زیادہ اور تہذیب یافتہ کم ملتے ہیں' تاہم تعلیم بھی ناگزیر ہے' اس لیے اس کا حصول بھی لازم ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ بحیثیت 'باپ' ایک فرد کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔

بچہ اور دینِ فطرت

اس ضمن میں باپ کی اوّلین کوشش یہ ہو کہ اس کے بچے کی ماں دینی شعور رکھنے والی ہو۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کے لیے اچھے خاندان والی عورت کا انتخاب کرو' اس لیے کہ خاندان کا اثر سرایت کرجاتا ہے''۔ (ابنِ ماجہ)

اگر اس سلسلے میں ذرا بھی عدمِ اطمینان ہو تو یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بچوں کی ماں کو

ایسی فضا فراہم کرے جو حصولِ علم کے لیے سازگار ہو' نیز کم از کم ہفتے میں ایک بار اتنا وقت ضرور نکالے کہ جو دعائیں' قرآنی آیات اور تاریخی واقعات ماں نے بچے کو سکھائے یا سنائے ہیں' انھیں سنے اور بچے کے ساتھ کچھ وقت گزارے۔ تربیت کے اس مرحلے میں باپ کا عملی کردار بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ایک بہت چھوٹا بچہ نہ نماز پڑھتا ہے' نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ اپنے ہاتھ سے انفاق ہی پر قادر ہے' مگر جب باپ کو عملی طور پر ان دینی فرائض کو انجام دیتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ چیز اس کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے اور جب وہ خود عمل کی عمر کو پہنچتا ہے تو باپ کے کردار کی یہی تصویر اس کی رہنمائی کرتی ہے۔

تعلیم و تربیت کے تمام مراحل میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ بچے کی عمر کے حساب سے کام کریں۔ اگر آپ چاہیں گے کہ ایک چھوٹی عمر کا بچہ ہر وقت ہاتھ میں قرآن لیے بیٹھا رہے تو یقیناً آپ اسے انحراف اور بے زاری کا راستہ دکھائیں گے۔ جس وقت وحی کے ذریعے احکامات نازل کیے جاتے تھے تو وہ بھی بتدریج نازل ہوتے تھے تاکہ پیروی میں آسانی ہو۔ یہی انسانی فطرت ہے۔ بچے کو آہستہ آہستہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور مثالوں سے اسلام' رسولؐ، اہلِ بیتؓ، صحابہ کرامؓ اور صالحین سے محبت کرنا سکھائیے اور اس کام میں تعاون اور نرمی کو یقینی بنائیے۔ یاد رکھیے' آپ سے آپ کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ کون پوچھے گا یہ سوال؟ کیا آپ اس سوال کے جواب کے لیے تیار ہیں؟ اس جواب کی تیاری کے لیے آپ درج ذیل باتوں سے مدد لے سکتے ہیں:

۱- جونہی بچہ ذرا بڑا ہوا سے تلاوتِ قرآن پاک کی ابتدا کرائیے۔

۲- استاد اصولِ تجوید اور دینی بصیرت کا حامل ہو۔ ان امور سے ناواقف استاد باعثِ نقصان ہے' نیز لڑکیوں کے لیے کوشش کی جائے کہ کسی خاتون کا انتظام ہو۔ اگر ممکن نہ ہو تو چھوٹی عمر میں قرآن ختم کرانے کی طرف توجہ دیں اور گھر کے ایسے حصے میں بٹھا کر پڑھانے کا بندوبست کریں جو سب کی نظروں میں ہو۔ اس دوران بچیوں کو تنہا چھوڑ دینا باعثِ فتنہ ہے۔

۳- اگر اولاد کا رجحان دیکھیں تو حفظِ قرآن پر توجہ دیں اور اس خواہش کو اُبھارنے کی کوشش کریں' نیز ناظرہ ختم ہو جانے کے بعد قرآن کے معنی اور تفسیر بھی پڑھوائیں۔ وہ لوگ جو ایسے معلم حضرات کا انتظام کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ وہ بڑی اعلیٰ جگہ اپنا پیسہ لگا رہے

ہیں۔ یاد رکھیں، بیٹی کو شادی سے پہلے اور بیٹے کو نوکری سے پہلے پہلے جس قدر دینی علوم میں مہارت دلوا سکتے ہیں ضرور دلوایئے۔ یہ آپ کے لیے سب سے بڑا صدقۂ جاریہ ہوگا اور...... یہ بچے پھر بڑی مشکل سے ہاتھ آئیں گے۔

۴- جب بچہ اسکول جانے کی عمر کو پہنچ جائے تو مناسب 'تربیت گاہ' کا انتخاب کیجیے جو بچے کو دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم میں بھی مستند بنائے۔ اس موقعے پر بھی بچیوں کے لیے مخلوط نظام کا انتخاب مت کیجیے۔

۵- فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کی اہمیت بتایئے اور ان کا شوق دلایئے۔

بچہ اور اس کی ذات

تربیت کے سلسلے میں توازن کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ تربیت روحانی ہو یا جسمانی، فکری ہو یا ایمانی، نفسیاتی ہو یا معاشرتی، ہر حیثیت میں بچے کی انفرادی اہمیت کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ یہ چیز جہاں اُس میں عزتِ نفس اور اعتماد پیدا کرتی ہے وہاں آپ سے محبت کو بھی مضبوط بناتی ہے۔ یاد رکھیے، آپ کی طرح آپ کے اہلِ خانہ بھی دن بھر اپنے فرائض منصبی میں مصروف رہے اور اب وہ شام میں آپ کے منتظر ہیں اور آپ کی ایک مسکراہٹ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ایسے باپ جو گھر میں داخل ہوتے ہی دن بھر کی تھکن اور کوفت کو اپنے اہلِ خانہ پر غصہ، چیخ پکار کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں، بہت جلد جان لیتے ہیں کہ بچپن میں سر جھکا لینے والے یہ بچے اپنے پیروں پر کھڑا ہوتے ہی انحراف، فرار اور نفرت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ کس نے سکھایا یہ طرزِ عمل؟ آپ آج جس چیز کا بیج بوئیں گے، کل اُسی کی فصل کاٹیں گے۔

لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں، تاہم لڑکیاں نسبتاً زیادہ حسّاس ہوتی ہیں۔ باپ کی نرمی یا سختی کو خصوصی طور پر محسوس کرتی ہیں۔ ان کی ذات کا احترام اور ان کی موجودگی کو باعثِ رحمت ظاہر کرنا ان کی ذات میں پختگی پیدا کرتا ہے۔ لیکن لڑکوں کی تربیت میں باپ کو خصوصی اہمیّت حاصل ہے۔ روزمرہ معاملات میں بچوں سے رائے لینا، ان کی باتوں کو اہمیّت دینا، ان کی پسند اور ناپسند کو جائز امور میں فوقیت دینا، ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا، ان کے

نقصان کی تلافی کرنا' ان کی ضروریات کو پورا کرنا خاص کر اُن چھوٹی چھوٹی خواہشات کو جن کا اظہار وہ خود کریں ـــــ یہ تمام وہ امور ہیں جو بچے کو نفسیاتی بالیدگی عطا کر کے اُن میں اعتماد و وقار پیدا کرتے ہیں۔ وہ باپ جو گھر کا سودا سلف خریدنے کے دوران اپنے لڑکوں کو ساتھ رکھتے ہیں' وہ نہ صرف انھیں دوستی کا ماحول فراہم کرتے ہیں بلکہ خریداری کا سلیقہ بھی سکھاتے ہیں۔ ناپسندیدہ رویے پر سرزنش کیجیے مگر ساتھ ہی کوئی سخت جسمانی سزا دینے میں جلدی نہ کیجیے۔ کوشش کریں' مار پیٹ کی نوبت ہی نہ آئے۔ یہ سمجھ لیں کہ جب کبھی اور جہاں کہیں یہ نوبت آتی ہے تو اس کے لانے میں بڑی حد تک باپ کا ہاتھ بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کے حساب سے ان کی ذمہ داری بس پیسہ کما کر لانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ بعض ایسے باپ اگر کبھی اتفاق سے بچے کو پڑھانے بھی بیٹھ جائیں تو ابتدا ہی سے چیختے ہیں اور بالآخر بچے کے سر پر کتاب دے مارتے ہیں۔ ایسے غصہ ور باپوں سے اکثر مائیں بچوں کی بہت سی باتیں پوشیدہ رکھتی ہیں اور یوں حالات مزید بگڑتے ہیں۔

بچہ اپنے آپ کو شتر بے مہار سمجھنے لگتا ہے۔ بات بات پر تنقید' نکتہ چینی اور نامناسب برتاؤ بچوں میں شدید ہیجانی کیفیت پیدا کرتا ہے جسے وہ وقتی طور پر روک لیتے ہیں لیکن یہ عمل لاتعداد جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں کا دروازہ کھولتا ہے۔ ماہرین نفسیات کی رائے میں وہ مرد جو گھروں میں اُونچی آواز سے چیخ کر غصّے کا اظہار کرتے ہیں' ان کے اہلِ خانہ ہکلاہٹ' عدم توجہی و دل چسپی' بھول' نسیان وغیرہ جیسی بیماریوں میں مبتلا ہو کر بالآخر نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔

جسمانی نشوونما کے لیے بھی محتاط رہیں۔ حسبِ توفیق صحت مند غذا فراہم کرنا اور بیماری کی صورت میں مناسب علاج معالجہ بچے کا حق ہے۔ یہی نہیں' ہلکی پھلکی تیمارداری سے آپ بچے کے دل میں اپنی محبت کے مزید چراغ جلا سکتے ہیں۔ غرض بچے پر جو کچھ خرچ کریں خوش دلی سے کریں۔ اس کے اثرات نہایت مؤثر ہوں گے۔ وہ بچے جو بچپن میں بلاوجہ معمولی چیزوں کے لیے ترسائے جاتے ہیں' بڑے ہو کر کسی چھوٹے سے مقصد کا حصول بھی ان کے لیے دشوار ہو جاتا ہے اور یوں وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ کے پیسے پر سب سے زیادہ حق آپ کی اولاد کا ہے جو آپ کی توجہ کی بھی محتاج ہے۔ بہت سے حضرات اپنے اہلِ خانہ پر بڑی مشکل سے اور گن گن کر خرچ کرتے ہیں' یہ نہایت ناپسندیدہ عمل ہے اور اسلام اس کی شدید مذمت کرتا ہے۔ تربیتی نکتے

مدنظر رکھتے ہوئے اپنے بچے کے معاملے میں حد درجہ نرمی وشفقت کو اپنا شعار بنایئے، انھیں لپٹایئے، پیار کیجیے۔ یاد رکھیے، یہ کام آپ صرف اُن کے بچپن ہی میں کر سکتے ہیں، بڑے ہوتے ہی ان کے اندر ایک قدرتی جھجک پیدا ہو جائے گی۔ ایک بار ایک صحابیؓ نے آنحضرتؐ کو ایک بچے کو پیار کرتے دیکھ کر کہا: اے اللہ کے رسولؐ میرے تو کئی بچے ہیں مگر میں نے کبھی انھیں لپٹا کر اس طرح پیار نہیں کیا۔ حضورؐ نے فرمایا: اگر اللہ نے تیرے دل میں رحم نہیں ڈالا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

بچہ اور گھر کے افراد

ایک گھرانے کے تمام افراد کے درمیان باہمی ربط کا موجود ہونا ضروری ہے۔ اگر چھوٹے بڑے کی تمیز، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت نہ ہو تو توازن بگڑ جاتا ہے۔ ایک صحت مند ماحول کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو آپس میں کھیل کود کی مکمل آزادی ہو۔ ان کی عمر اور رجحان کے مطابق کھلونے اور سامان مہیا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے، مگر خیال رکھیں ایسے کھلونے جو تخریبی رجحان پیدا کرنے والے ہوں، گھر میں نہ لائے جائیں مثلاً بندوق یا چاقو وغیرہ۔ یہی معاملہ اخلاق بگاڑنے والے کھیل کھلونوں کا ہے۔

اپنے اہلِ خانہ کو سیر وتفریح کے مواقع مہیا کیجیے۔ ہر طبقے کا گھرانہ اپنے ماحول اور حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹی موٹی تفریح فراہم کر سکتا ہے۔ بنیادی بات اس نظریے کی موجودگی ہے کہ شرعی حدود میں رہ کر جائز تفریح کو اسلام پسند کرتا ہے۔ مہینے میں ایک بار گھر میں تیار کیا گیا سادہ سا کھانا ساتھ لے جا کر اگر کسی نزدیکی پارک میں کھا لیا جائے تو اس کے بے شمار مثبت اثرات نکلتے ہیں۔ یہ چیز جہاں ایک گھر کے افراد کو قریب لاتی ہے، وہاں روزمرہ کام کاج اور معمول کے منفی اثرات کو دُور کر کے ذہن کو تازگی دیتی ہے۔

بچوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیں اور انھیں ایک دوسرے پر ترجیح نہ دیں۔ ان کے ساتھ برتاؤ اور لین دین میں برابری ومساوات کا خیال نہ رکھا جائے تو ان میں تفریق وامتیاز کا عنصر پیدا ہوگا جو آگے چل کر باہمی حسد ورقابت کا باعث بنے گا۔ بہن بھائیوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے مقابلے کرانا، انعام دینا، عید اور دیگر خوشی کے موقعوں پر انھیں تحائف دینا

جہاں اسلامی اقدار کے عین مطابق ہے وہاں بچوں میں عزتِ نفس اور اطمینان کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ یوں انھیں اپنا ایک مقام نظر آتا ہے۔ اسلام نے اچھے اوصاف و کارکردگی کو سراہنے کی تاکید کی ہے اور سب کے سامنے شرمندہ کرنے سے منع کیا ہے۔

اپنے گھر کو لڑائی جھگڑوں اور ایک دوسرے کی مخالفتوں کا اکھاڑہ مت بنایئے۔ آپس کے تنازعات کے لیے وقت مخصوص کر کے بچوں سے علیحدہ ہو کر بات کیجیے۔ ان کے سامنے چیخ پکار اور غصّے کا مظاہرہ کر کے آپ ان سے کس سیرت و کردار کی توقع کریں گے؟ اپنے ماحول کو ہر وقت کے تناؤ سے بھی محفوظ رکھیے۔ اپنے اہلِ خانہ کو خوش رکھ کر آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔ بچے میں انحراف اور بغاوت کا ایک بہت بڑا سبب باپ کی سخت مزاجی اور ڈکٹیٹر شپ ہے۔ جب بچہ خود کو، اپنے بہن بھائیوں کو اور اپنی ماں کو ہر وقت بے جا پابندیوں میں جکڑا ہوا دیکھتا ہے تو دکھی ہو جاتا ہے اور اس ماحول سے فرار کے راستے ڈھونڈتا ہے۔ ایسے ماحول کے اکثر بچے بڑے ہو کر گھر سے بھاگ جاتے ہیں یا بھاگنے کی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں اور اپنے اندر باپ کے لیے وہ الفت اور محبت محسوس نہیں کرتے جس کا تقاضا فطرت کرتی ہے۔ یوں اللہ کے سپاہی بننے والے یہ فرشتے جسمانی و نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ ذرا قرآن کا مطالعہ کیجیے، جب اللہ تعالیٰ نے انبیاے کرام کو اپنے کام کے لیے چنا تو انھوں نے اپنے اہلِ خانہ اور بھائی بندوں کو اپنی مدد پر مامور کرانے کے لیے اللہ سے دعا فرمائی۔ (طٰہٰ ۲۰:۲۹-۳۴)

اسلامی قوانین کی رو سے ایک گھرانہ ہی اس اعلیٰ منصب کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کے سربراہ آپ ہیں۔ افرادِ خانہ کے اندر ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ پیدا کیجیے۔ خصوصی طور پر لڑکوں کو بچپن ہی سے گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے کی عادت ڈالیے۔ ہمارے گھروں میں عام رواج یہ ہے کہ اگر مرد گھریلو کام کاج کو ہاتھ لگالیں تو یہ اُن کی مردانگی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرز پر لڑکوں کی پرورش بھی ہوتی ہے، جب کہ اللہ کے رسولؐ جب اپنے گھر والوں کے درمیان ہوتے تو ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹھاتے۔ بچہ جب باپ کو خود یہ عمل کرتے دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عمل کی کوئی قباحت نہیں رہتی بلکہ وہ باپ کی طرح بننے کو قابلِ فخر سمجھتا ہے۔

یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ والدین کا اچھا طرزِ عمل بچپن میں تو اولاد کے لیے صرف اچھی

تربیت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے مگر جب اولاد جوان اور باشعور ہوتی ہے تو والدین کی یہی تصویر ان کے دل میں وہ عزت اور محبت پیدا کر دیتی ہے' جس سے وہ والدین محروم رہتے ہیں جن کا کردار اور عمل بچوں کے بچپن میں کمزور رہا تھا۔

بچہ اور معاشرہ

گھر کے باہر کے ماحول میں خاندان کے دیگر لوگ' پڑوسی اور میل جول کے دوسرے لوگ شامل ہیں۔ اسلام نے واضح طور پر ایسے احکام دیے ہیں جن کی رو سے ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حقوق العباد کا خیال رکھے اور میل جول کے ذریعے لوگوں کی خوشی اور غمی میں شریک رہے۔ اس اسلامی فریضے کو پورا کرنے کے لیے اہلِ خانہ کو سہولت دیجیے' انھیں باہر لے جایئے اور ان کی سرگرمیوں پر خوش دلی کا مظاہرہ کیجیے۔ اپنی استطاعت اور موقع محل کی مناسبت سے عزیزوں اور دوستوں کو خود بھی ہدیہ دیں اور اہلِ خانہ کو بھی ترغیب دیں۔ اللہ کے رسولؐ ہدیہ دیتے بھی تھے اور قبول بھی کرتے تھے۔ اپنے حقیقی بہن بھائیوں کے علاوہ بھی بچے کو ہم عمر دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے کی سہولت دیجیے۔ صحت مند جسمانی اور ذہنی نشوونما کے لیے بچوں کو کھیلنے کا وقت زیادہ دینا مفید ہے۔ اس طرح بچے میں تخلیقی صلاحیتیں پیدا ہوں گی۔ بچوں کے دوستوں کا احترام کیجیے۔ ان کے سامنے بچے کی اچھی عادتوں کا ذکر کیجیے۔ بچوں سے باہر ہونے والی سرگرمیوں کو دل چسپی لے کر سنیے۔ جو والدین خصوصاً باپ اس کام کے لیے وقت نکالتے ہیں وہ بہت سی حقیقتوں سے واقف رہتے ہیں' اُنھیں اصلاح کا موقع ملتا ہے اور یہ کہ بچہ والدین ہی کو اپنا دوست سمجھتا ہے۔ بس خیال رہے کہ یہ گفتگو غیبت یا عیب جوئی کا رنگ اختیار نہ کرے۔

بچوں کے سامنے ماں اور ماں کے گھر والوں کو عزت اور توقیر دیجیے۔ یہ چیز بچے کو دہری شخصیت کا شکار ہونے سے بچائے گی۔ یہ مت بھولیے کہ یہ سب بھی بچے کے رشتے دار ہیں' ان کی مخالفت بچے کو آپ کا مخالف بنا کر چھوڑے گی۔ اکثر معزز داماد حضرات کا رویہ اپنی بیوی کے گھر والوں کے ساتھ بڑا عجیب وغریب اور ہتک آمیز ہوتا ہے۔ ایسے داماد سمجھ لیں کہ انھیں محبت کا ملنا تو دُور کی بات ہے' جو تھوڑی بہت عزت ملتی ہے وہ بھی بس اوپرائی ہوتی ہے' نہ بیوی کے دل میں کوئی

وقعت رہتی ہے اور نہ اولاد کے دل ہی میں۔ سسرال والوں کو تو خیر اپنا بنایا ہی نہ تھا...... حالانکہ اسلامی قوانین کی رُو سے شادی دو خاندانوں کا ملاپ اور باہمی طاقت اور اخوت کا ذریعہ ہونا چاہیے۔

خاندان کے دیگر گھرانوں کے معاملات و تقاریب میں خود بھی دل چسپی لیں اور بچوں کو بھی اس کی عادت ڈالیں۔ خاص کر قریبی رشتوں کی پہچان اور عزت افزائی یقینی ہونی چاہیے۔ اپنے دفتری اوقات اور دوسرے اہم مواقع پر وقت کی پابندی کا خیال رکھیے۔ آپ کا یہ ڈسپلن بچے کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔

کبھی کبھی بچوں کے دوستوں کو گھر مدعو کرنے کی اجازت دیں، ان کے دوستوں سے بات چیت کریں۔ وقفے وقفے سے دوستوں کا حال احوال اور ان کی سرگرمیوں کو پوچھتے رہیں۔ باپ کے نہایت اہم فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ باہر لڑکوں کے دوستوں پر نظر رکھیں اور اُس صحبت کی جانچ پڑتال کرتے رہیں جس میں بچہ وقت گزارتا ہے۔ یہ کام صرف ایک دن کے کرنے کا نہیں ہے بلکہ متواتر عمل ہے۔ آپ کا لڑکا جس دوست سے ملنے جائے اس کا نام پتا اور فون نمبر لے کر رکھیں لیکن اس تمام کارروائی میں آپ کا رویہ مخلصانہ اور بچے کی حفاظت پر مبنی ہو۔ جاسوسی کے انداز میں ہرگز نہیں۔ اپنی اس نیت کا آپ برملا اظہار بھی کریں تاکہ بچے کے سامنے آپ کے طریقۂ کار کی وضاحت ہو۔ ہمارے گھروں میں اولاد اور والدین، خصوصاً باپ کے درمیان عدمِ رابطہ یا ناقص رابطے کی بنیادی وجہ یہی اظہارِ خیال کا فقدان ہے۔ افرادِ خانہ ایک دوسرے کے بنیادی خیالات ہی کو نہیں سمجھ پاتے اور بعض اوقات بڑی بڑی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا گھر کا عام ماحول کھل کر بات کرنے کا ہو۔ اسلام مبہم بات چیت سے منع کرتا ہے۔

بچہ اور والدین کے آپس کے تعلقات

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بچے کی تربیت کا تمام دارومدار والدین کے آپس کے تعلقات پر ہے۔ زوجین کی ذہنی ہم آہنگی جہاں اس دشوار کام کو آسان بلکہ پُرکیف بناتی ہے وہیں یہ تعلق اُن عوامل اور محرکات کو استحکام اور دوام بخشتا ہے جن کی مدد سے زوجین بچوں کی تربیت کرتے ہیں۔

والدین کے خیالات کا فرق وتکرار بچے کو دوراہے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ ایک کی رائے کچھ اور دوسرے کی کچھ اور۔ بچہ کس کی مانے، اس کے لیے تو دونوں برابر ہیں۔ ایسا بچہ اپنی منزل کا تعین کس طرح کرے گا جس کے سامنے ابھی غلط اور صحیح کی گتھی ہی نہیں سلجھی۔ اس طرح کے اکثر بچوں میں قوتِ فیصلہ کی سخت کمی ہوتی ہے اور واقعے کو سمجھنے میں انھیں دشواری رہتی ہے۔ بعض بچے والدین کی اس کمزوری کو بھانپ لیتے ہیں اور اس کمزوری سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ والدین سے الگ الگ اپنی باتیں منواتے ہیں لہٰذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ باہمی اختلاف کو محسوس کرتے ہی خاموشی اختیار کرلی جائے۔ بچے کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا جائے اور باہمی معاملات کو طے کرنے کے لیے ہفتے میں کم از کم ایک دن ایسا رکھا جائے جس میں گفتگو کے ذریعے ایک نتیجے پر پہنچا جائے۔

اس کے لیے چھٹی کے دن نمازِ فجر کے بعد کا وقت نہایت موزوں رہتا ہے۔ عموماً اس وقت بچے سو رہے ہوتے ہیں۔ دورانِ گفتگو اگر کوئی بدمزگی ہو بھی جائے تو بچے اُس سے متاثر نہیں ہوتے۔ بچوں کے سامنے اپنے آپ کو ایک رائے والا بنا کر پیش کریں۔ یاد رکھیے، بچے والدین کے درمیان اعتماد اور پیار و محبت کا سلوک دیکھ کر اپنے اندر محفوظ ہونے کی ایک عجیب کیفیت محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے اکثر گھرانوں میں خواتین کو دبا کر رکھنے کا رجحان ہے۔ بچے قدرتی طور پر ماں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ کیا ایسے بچوں سے کسی مضبوط شخصیت کی توقع کی جاسکتی ہے جس کے باپ بات بات پر ماں کو طلاق کی یا چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرا کر گھر سے بھاگ جانے کی دھمکیاں دیتے ہوں۔ یہ دھمکیاں ان کے ننھے ننھے دلوں کو ہر لحہ لرزاتی رہتی ہیں۔ ''کہیں یہ ہمیں چھوڑ کر نہ چلے جائیں'' یہ خوف ان کے شعور اور لاشعور کی دنیا کو تباہ کر دیتا ہے۔

اگر کسی وقت محسوس کریں کہ آپ کے مقابلے میں آپ کی بیوی کا موقف زیادہ وزنی ہے تو بلا تامل اُس کی بات چلنے دیں۔ زبردستی اپنی بے تکی رائے جمانے والے باپ بڑی جلدی اپنی حیثیت متاثر کر لیتے ہیں، خاص کر جب اولاد بڑی ہو کر صحیح اور غلط کو سمجھنے کی اہل ہو جائے۔

اپنی بیوی کی بیماری یا مصروفیت کے دوران روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھ سے کر لینے کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیے۔ اس طرح بچہ نہ صرف اپنی ماں بلکہ ضرورت پڑنے پر آپ کی مصروفیت کو بھی اہم جانے گا۔ اس طرح بچوں میں ایسے حالات میں باہمی مدد کا جذبہ بھی

پیدا ہوگا اور وہ یہ بھی سیکھیں گے کہ ''جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے''۔(المائدہ ۵:۲)

ہمارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہتر برتاؤ کرتا ہوں'' (ابن ماجہ، حاکم)۔ حدیث کا آخری حصہ ظاہر کرتا ہے کہ سیرتِ طیبہ کا مطالعہ ایک مسلمان کے لیے بہترین رہنمائی ہے۔

بچہ اور باپ کی دعا

شادی کے مقدس بندھن کے بعد نیک اور صالح اولاد کے لیے اللہ سے دعا کرنا چاہیے۔ ''میرے رب! تو اپنے پاس سے مجھے پاک باز اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کا سننے والا ہے''۔ (اٰل عمرٰن ۳:۳۸)۔ جب اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمادیں تو بچے کی پرورش میں جہاں وہ تمام امور ضروری ہیں جن کا ابھی تک ذکر ہوا، وہاں قدم قدم پر اُسے باپ اور اُس کی دعاؤں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اپنی بھرپور عملی کوششوں کے ساتھ ساتھ بچے کے لیے دعا بھی کرتے رہیے۔ یہ دعائیں صرف حال کے لیے نہیں بلکہ اس کے مستقبل اور پھر مستقبل بعید کے لیے بھی ہوں۔ انسان کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ اللہ نے آپ کو 'آج' دیا ہے، اس میں اپنے بچے کے 'آج اور کل' کے لیے دعا کریں۔ اگر آپ کا بچہ ۳، ۴ سال کا ہے تو اس کی معاش اور پھر شادی شدہ زندگی کے مراحل جیسے دُور کے کام آپ کے ذہن میں نہیں آتے، مگر نہیں، بچے کے ہر دَور کے لیے دعا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جیسے بزرگ کا دل والدین کی شبانہ روز دعاؤں سے ہی پلٹا تھا۔ قرآن پاک اس ضمن میں ایک مسلمان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھیے سورۂ فرقان (۲۵:۷۴): ''اے ہمارے رب! ہمیں ہمارے جوڑوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا''۔ حضرات غور کریں آپ کی ذریت کون ہے؟؟ آپ کے بچے اور پھر ان کی اولادیں...... سورۂ ابراہیم (۱۴:۳۵) میں ہے: ''اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی پروردگار! اس شہر کو

امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا''۔ اسی سورہ میں آیت ۴۰ میں ہے: ''اے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی۔ بے شک تو دعا قبول کرنے والا ہے''۔ (ابراہیم ۱۴:۴۰)

یہی نہیں اپنے بچے کو بھی اپنے لیے دعا کرنا سکھایئے۔ یہ بھی اسلامی تربیت کا حصہ ہے۔ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے کہ ''جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کی مہلت ختم ہوجاتی ہے۔ صرف تین چیزیں مرنے کے بعد بھی فائدہ پہنچاتی ہیں: ایک صدقۂ جاریہ' دوسرے اس کا پھیلایا ہوا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں' تیسرے وہ صالح اولاد جو اس کے لیے دعاے مغفرت کرتی رہے'' (آدابِ زندگی، یوسف اصلاحی' ص ۱۹۹)۔ ''اور دعا کرو پروردگار ان دونوں پر رحم فرما جس طرح بچپن میں انھوں نے میری پرورش کی'' (بنی اسرائیل ۱۷:۲۴)۔ اس کے علاوہ سورۂ نوح آیت ۲۸ اور سورۂ ابراہیم آیت ۴۱ میں اولاد کو اپنے والدین کے لیے بہترین انداز سے دعا کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

اولاد کے لیے والدین اور والدین کے لیے اولاد دنیا کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ پس ہر کسی کو اس معاملے میں اللہ رب العزت کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ قرآن ہمیں ایسی جامع دعائیں سکھاتا ہے جن کے ذریعے ہم نیک و صالح اولاد کے لیے شکرگزاری بجالا سکتے ہیں۔ شکرگزاری کا لازمی نتیجہ برکت ہے۔ ''شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے''۔ (ابراہیم ۱۴:۳۹)

اسی طرح اولاد بھی ہر لحہ والدین کے احسان یاد کر کے ان کے لیے دعا گو رہے۔ ''اے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُن نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کیں اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہوجا۔ اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کہ مجھے سکھ دے۔ میں ترے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں''۔ (احقاف ۴۶:۱۵)

تمام گفتگو کا حاصل یہ ہوا کہ کمزوریوں سے زیادہ سے زیادہ پاک گھرانہ ہی وہ ادارہ ہے جہاں صحت مند شخصیت کی نشوونما ممکن ہے۔ بطور سربراہِ خانہ اپنے اہل و عیال کو اپنے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ غالباً آپ کا معاملہ کچھ یوں ہے: حیثیت بڑی' ذمہ داریاں زیادہ' جواب دہی سخت۔

آیئے آخر میں مختصراً کچھ باتوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں ہم نے اِس بھاری ذمہ داری کی جواب دہی کے لیے کتنی تیاری کی:

۱- اپنے اہلِ خانہ سے گفتگو کے دوران آپ کا لہجہ ویسا ہی میٹھا اور نرم ہے جتنا باہر لوگوں سے گفتگو کے وقت تھا؟

۲- آپ ان کی رائے پر بھی اعتماد کرتے ہیں یا بس اپنی چلاتے رہتے ہیں؟

۳- کبھی آپ کو اپنی کمزوریاں بھی نظر آئیں یا قصور اکثر اہلِ خانہ ہی کا ہوتا ہے؟

۴- کمزوری سب میں ہوتی ہے۔ اس کی نشان دہی پر اُسے دور کرنے کی کوشش کی یا ـــــ آپ تو قبیلے کے سردار ہیں، سب کچھ چلے گا' والا معاملہ ہے۔

۵- کیا واقعی آپ کی گھر میں موجودگی اہلِ خانہ کے لیے خوشی کا باعث ہے یا یہ صرف آپ کا خیال ہے؟

اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے سچائی سے ان سوالات کا جواب تلاش کیجیے۔

(کتابچہ دستیاب ہے۔ قیمت: ۵ روپے۔ منشورات، منصورہ، لاہور)

وفاقی بجٹ ۰۸-۲۰۰۷ء ___ ایک جائزہ

پروفیسر خورشید احمد

بجٹ بنانا بلاشبہہ ایک انتہائی اہم سرگرمی ہے اور بجٹ جہاں حکومت کی کُل آمدنی اور خرچ کا میزانیہ اور معاشی پالیسی اور ترجیحات کا عکاس ہوتا ہے وہیں اس کی حیثیت قانون سازی کے ایک ایسے کام کی ہے جس کے ذریعے معاشی مشکلات کے حل کے لیے قوم کے عزائم اور طرزِ فکر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی قوم ملکی معیشت کے تمام شعبوں میں معاشی خودکفالت کے حصول کے لیے دستیاب وسائل کو کتنی ہنرمندی سے استعمال کرتی ہے۔

بدقسمتی سے حکومت کی طرف سے مالی سال ۲۰۰۷ء-۲۰۰۸ء کے لیے پیش کیا گیا بجٹ انتہائی مایوس کن ہے۔ یہ یقیناً ایک الیکشن بجٹ ہے جسے کسی بھی لحاظ سے حقیقی معاشی بنیادوں پر تیار کیا گیا بجٹ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے جی ڈی پی میں ۷ فی صد اضافہ کرنے کے علاوہ زرمبادلہ کے ذخائر کو ۱۵ ارب روپے تک پہنچا دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کامیابی کہاں تک حکومت کی اقتصادی پالیسیوں کا ثمرہ اور ان کے مؤثر ہونے کی دلیل ہے اور کہاں تک نائن الیون کے بعد بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کا اپنا سرمایہ پاکستان منتقل کرنے اور پاکستانی حکومت کے امریکا کے آگے ہتھیار ڈالنے کی وجہ سے سیاسی اور معاشی امداد کا نتیجہ ہے۔

عالمی بنک کی جانب سے ترقیاتی اشاریوں کے حالیہ مطالعے میں، جو ۱۵ اپریل ۲۰۰۷ء کو جاری کیا گیا ہے، قوتِ خرید کے تطابق (parity) کی بنیاد پر پاکستان میں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۵ء تک جی ڈی پی میں فی کس اضافہ ۲ء۶۴ فی صد رہا، جب کہ اسی دورانیے میں دوسرے ترقی پذیر ممالک کی

فی کس اوسط اضافہ کچھ اس طرح رہا: فلپائن ۱ء۵ فی صد، انڈونیشیا ۷ء۵ فی صد، ترکی ۹ء۷ء۵ فی صد، جب کہ بھارت ۳۲ء۷ فی صد۔ یاد رہے کہ اسی دورانیے میں کم آمدنی والے ممالک میں اوسط فی کس اضافہ ۳۸ء۶ فی صد تھا جو پاکستان میں اس اضافے سے ۳۰ فی صد زیادہ ہے۔ گویا اس حوالے سے حکومتِ پاکستان جو بلند بانگ دعوے کر رہی ہے اس علاقائی تناظر میں اس کا قد کاٹھ بہت ہی کم ہو جاتا ہے۔

حکومت کا ایک اور دعویٰ یہ ہے کہ اس کے دور میں غربت میں نمایاں کمی واقع ہوئی ہے اور کُل آبادی کا ۱۰ فی صد غربت سے نجات پا چکا ہے، یعنی اس حکومت سے پہلے ملک کی ۳۴ فی صد آبادی غربت کی حد سے نیچے تھی جو اَب صرف ۲۴ فی صد ہے۔ یہ دعویٰ بھی درست ثابت کرنا مشکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خطِ غربت سے نیچے رہنے والوں میں سے ۳۳ فی صد اس خط کو عبور کر گئے ہیں۔ گویا ہر سال کُل آبادی کا دو سے تین فی صد خطِ غربت سے اُوپر چلا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ غربت کے خط سے نیچے رہنے والے ۵ کروڑ ۲۰ لاکھ افراد میں سے ایک کروڑ ۳۰ لاکھ افراد غربت کی گرفت سے نکل گئے ہیں۔ اُسے محض ایک شماریاتی کرشمہ ہی کہا جاسکتا ہے!

زمینی حقائق کیا ہیں؟ کیا یہ حقائق حکومتی دعوؤں کی تصدیق کرتے ہیں؟ خود یہی سروے (پی ایس ایل ایم ۰۵-۲۰۰۴ء) جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے، اسی میں ایسے شواہد موجود ہیں جو سرکاری دعوؤں کی نفی کرتے ہیں۔ اس سروے رپورٹ کی جلد دوم میں، جس میں صوبائی اور ضلعی ڈیٹا کے حوالے سے ص ۴۰۶، جدول ۵.۱ میں کہا گیا ہے کہ انٹرویو کیے گئے افراد میں سے ۲۴ء۱۵ فی صد نے کہا کہ وہ ۲۰۰۵ء میں ۲۰۰۱ء کے مقابلے میں کہیں خراب یا بہت زیادہ خراب حالت میں رہ رہے ہیں، جب کہ اسی گروپ کے ۵۱ء۵ فی صد لوگوں نے بتایا کہ اس دوران ان کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوسکی۔ اس صورت حال کی روشنی میں حکومتی بیان کی قلعی کھل جاتی ہے جس میں انھوں نے غربت کے خط کے نیچے کے ۳۳ فی صد افراد کے غربت سے نکل آنے کا دعویٰ کیا ہے۔ پاکستان میں 'غربت کے خاتمے' کے رواں پروگرام سے متعلق ایشیائی ترقیاتی بنک کی تازہ ترین رپورٹ (ورکنگ پیپر نمبر۴، ۲۰۰۷ء) میں کہا گیا ہے کہ اس ضمن میں عوام کا تاثر یہ ہے کہ

اس پروگرام کے نتیجے میں (جس میں سوشل ایکشن پروگرام بھی شامل ہے) خصوصاً ملک کے دیہی علاقوں میں کوئی خوش گوار تبدیلی یا ترقی کے مظاہر نظر نہیں آتے۔

حکومت کا حقائق کو مسخ کر کے اعداد وشمار کو غلط انداز میں پیش کرنا ہر سنجیدہ شہری کے لیے فکروتشویش کا باعث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بجٹ کی دستاویز اور بجٹ تقریر میں بہت سے واضح تضادات ہیں جو حیرت کا باعث ہیں۔ مثلاً وزیرمملکت براے خزانہ' وزیراعظم اور ان کے مشیران کے بقول بجٹ کا کُل حجم ۱۸ کھرب ۷۵ ارب روپے ہے' جب کہ بجٹ میں جو مختلف اخراجات کے تخمینے دیے گئے ہیں ان کا میزان ۱۵ کھرب ۹۹ ارب روپے بنتا ہے (خلاصہ بجٹ' باب دوم' ص ۷)۔ اور اس امر کی وضاحت نہیں کی گئی کہ ۱۸ کھرب والی رقم میں صدیوں کے بجٹ کی رقوم بھی شامل کرلی گئی ہیں تاکہ تاثر یہ ہو کہ تاریخ کا سب سے بڑا بجٹ پیش کیا گیا ہے۔

بجٹ کا سرسری جائزہ لینے سے ہی کم از کم چھے ناکامیوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے:

۱- ملک کو ادایگیوں اور تجارتی خسارے کے حوالے سے سخت عدم توازن کا سامنا ہے۔ جب ۱۹۹۹ء میں حکومت نے اقتدار سنبھالا تھا' اس وقت تجارتی خسارے کا حجم ایک ارب ۴۷ کروڑ ڈالر تھا' جب کہ آج سات سال کے عرصے میں یہ ۱۱ ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ بلکہ یہ بھی خدشہ ہے کہ اس خسارے کا اصل حجم ۱۳ ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہوگا۔ اسی طرح ادایگیوں کے خسارے کا حجم ۰۰-۱۹۹۹ء میں ایک ارب ۱۴ کروڑ ڈالر تھا' جب کہ یہ خسارہ ۰۳-۲۰۰۲ء یعنی جس سال موجودہ قومی اسمبلی کا انتخاب ہوا مثبت ہوگیا اور ۳ ارب ۱۶ کروڑ ڈالر ہوگیا۔ بدقسمتی سے اب' یعنی ۲۰۰۷ء میں ادایگیوں کے توازن میں خسارے کا حجم ۶ ارب ۲۰ کروڑ ڈالر کی ہوش ربا حد تک ہو چکا ہے جو پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا ادایگیوں کا خسارہ ہے۔ اس سے زیادہ حیرت اور تشویش کی بات یہ ہے کہ اس بجٹ میں ان دو قسم کے خساروں کو فوری طور پر نیچے لانے کے لیے کوئی حکمت عملی تجویز نہیں کی گئی ہے۔

۲- معاشی ترقی کو برقرار رکھنے کے لیے معیشت کا اشیا کی پیدایش کے سیکٹر (commoduty sector) میں اضافہ ضروری ہے کیونکہ اسی سے ترقی اور معیشت نمو پاتی ہے۔ اس وقت جس بڑھوتری کو ہم دیکھ رہے ہیں اس کی بنیاد دراصل خدمات کے شعبے اور خارجی عوامل پر ہے۔ جن میں

بیرونِ ملک پاکستانیوں کا بھیجا ہوا سرمایہ (جو حکومت کی ملکیت نہیں) اور وہ امداد شامل ہے جو نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے معاوضے کے طور پر امریکی حکومت سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح زراعت کے شعبے میں، جو پاکستانی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، کوئی قابلِ ذکر اور دیرپا معیاری یا مقداری بہتری نہیں ہوئی ہے۔ درحقیقت زراعت کے شعبے کو مسلسل نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ اس میں پیداوار کی لاگت میں اضافہ ہوا ہے جو اشیاے خورد و نوش کی قیمتوں میں اضافے کا سبب بنا ہے۔ اسی طرح صنعتی شعبے خصوصاً ٹیکسٹائل کی صنعت سخت عدم توجہی کا شکار رہی ہے جس پر پاکستان کی ۶۰ فی صد سے زیادہ برآمدات کا دارومدار ہے۔ یہ ٹیکسٹائل کے شعبے میں بحران ہی ہے جس کے باعث ہماری برآمدات کافی کم ہوئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تیار شدہ مال (جس کی زیادہ قیمت ہوتی ہے) کے بجاے خام روئی برآمد کی جارہی ہے (اس سال ۳ ارب ڈالر کی روئی برآمد ہوئی ہے)۔ اسی طرح بعض دوسری صنعتیں مثلاً چمڑا سازی، سرجیکل آلات اور کھیلوں کے سامان کی صنعت بھی بحران کا شکار ہیں۔ ان صنعتوں میں بھی پیداواری اخراجات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ ان کی مصنوعات عالمی منڈی میں دوسرے ممالک کی مصنوعات کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ حکومت نے ان مسائل کو نظرانداز کردیا ہے۔ اگر ان مسائل سے عہدہ برآ نہیں ہوا گیا تو پاکستان چند ہی سالوں میں ایک غیرصنعتی ملک بھی بن سکتا ہے۔ ۱۱۶ ٹیکسٹائل مِلیں پچھلے دو سال میں بند ہوچکی ہیں۔ کوئی پانچ لاکھ تکلے ساکت ہوگئے ہیں اور لاکھوں افراد کو روزگار سے محروم ہونا پڑا ہے اور زورِ خطابت کے باوجود، ملک کی سب سے اہم اور نازک پیداوار کے بارے میں بجٹ خاموش ہے۔ مہنگائی آسمان سے باتیں کررہی ہے اور زندگی کی عام ضروریات بھی پوری کرنا ہرکسی کے بس سے باہر ہے۔ عام شہری اس کی تکلیف دہ گرفت میں ہے۔ اسے دو وقت کی روٹی کا یارا نہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق کھانے پینے کی اشیا میں افراطِ زر ۱۰ فی صد، جب کہ غیرسرکاری اندازوں کے مطابق ۱۵ سے ۲۰ فی صد ہے۔ شاندار فصلوں (گندم اور چاول) کی موجودگی میں یہ اعداد و شمار عجب لگتے ہیں۔ بجٹ میں جن امدادی اقدامات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا شاید آغاز بھی نہ ہوسکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ زرتلافی سے بدعنوانی بڑھتی ہے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سبسڈی کی جو بظاہر پُرکشش رقم بجٹ میں دی گئی ہے یعنی ۲ کھرب ۱۰ ارب روپے اس میں ۹۰ ارب

تو واپڈا اور کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی کے لیے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ کھانے پینے کی اشیا کے باب میں دی جانے والی زرتلافی جو ۶ ارب روپے کے لگ بھگ ہے اور دو ڈالر سے کم آمدنی والی آبادی پہ اگر اسے تقسیم کیا جائے تو بمشکل ۷ روپے فی کس فی مہینہ آتا ہے۔ ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ اتنی 'بڑی رقم' سے عام آدمی مہنگائی پر کیا قابو پا سکے گا اور اس سے غریبوں کو کیا ریلیف مل سکے گا؟

اس ملک کو ایسی معاشی اور صنعتی پالیسیوں کی ضرورت ہے جو روزمرہ استعمال کی اشیا پر درآمدی ڈیوٹی اور سیل ٹیکس کم کر کے پیداواری اخراجات میں کمی کرے۔ یوٹیلٹی سٹور سے صرف دو فی صد آبادی فائدہ اٹھا سکتی ہے اور یہ دو فی صد بھی صرف غریب افراد نہیں ہوتے۔ کسی بھی طرح یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔ افراطِ زر پر ہمیشہ مالیات اور محاصل پالیسیوں کے اشتراک سے ہی قابو پایا جاسکتا ہے جن میں طلب و رسد دونوں کی ایک ساتھ فکر کی جائے' جب کہ یہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس حکومت کے دورِ اقتدار میں مہنگائی کا بھوت لوگوں کی خوشیوں کے قتل میں مصروف رہا ہے۔ ۲۰۰۰ء-۱۹۹۹ء میں افراطِ زر کی شرح صرف ۳ء۵۸ فی صد تھی۔ ۰۳-۲۰۰۲ء میں یہ تناسب ۳ء۱ فی صد رہا' جب کہ صرف ایک سال میں یعنی ۰۵-۲۰۰۴ء میں یہ ۹ء۳ فی صد تک پہنچ گیا۔ موجودہ اور گذشتہ سالوں کے دوران یہ اوسطاً ۸ فی صد رہا۔ موجودہ بجٹ کسی بھی پہلو سے افراطِ زر جیسے شدید اہم مسئلے کے مختلف پہلوؤں سے سنجیدگی سے نبٹنے میں بُری طرح ناکام رہا ہے۔

۴- ملک کو جس دوسرے اہم مسئلے کا سامنا ہے' اس کا تعلق غربت اور بے روزگاری سے ہے۔ دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہی حال انسانی وسائل کی ترقی و تربیت' افرادی قوت اور تعلیمی منصوبہ بندی کا ہے۔ بجٹ ان کے متعلق بھی بلند بانگ دعوؤں پر مشتمل ہے مگر ان چیلنجوں کا مؤثر طور پر مقابلہ کرنے کے لیے کوئی منصوبہ نہیں ہے۔ غربت میں کمی اور صحت کی سہولیات کی بڑے پیمانے پر فراہمی کے لیے بڑی رقوم مختص نہیں کی گئی ہیں۔ تعلیم جیسے اہم شعبے کے لیے وسائل کا قحط ہے' جب کہ حکومت نے اپنے اخراجات میں اضافہ کیا ہے اور شان و شوکت کی زندگی کا جیسے نشہ ہو گیا ہے۔ ترقیاتی بجٹ پر نظرثانی کر کے ۳۶ ارب تک کم کر دیا گیا ہے۔ بجٹ حقیقی ترقی' غربت کے خاتمے' انسانی وسائل میں بہتری اور معاشرتی فلاح و بہبود کے حوالے سے ایک ناکام بجٹ ہے۔

۵- پرویز مشرف اور شوکت عزیز کی پالیسیوں نے غریبوں کو غریب تر اور امیروں کو امیر تر کر دیا ہے۔ گذشتہ آٹھ برسوں کے دوران یہ فاصلہ شرمناک حد تک بڑھا ہے۔ اکنامک سروے جیسی اہم سرکاری دستاویز میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس وقت اُوپر کے ۲۰ فی صد افراد کے پاس نیچے کے ۲۰ فی صد افراد کے مقابلے میں قومی وسائل کا بہاؤ ۴۰۰ فی صد زیادہ ہے۔ ایک اور تحقیق کے مطابق حکومتی آمدنی میں ۱۰۰ روپے اضافہ ہو تو صرف ۳ روپے نیچے کی ۱۰ فی صد آبادی تک پہنچتے ہیں اور ۴۳ روپے اُوپر کے ۱۰ فی صد تک۔ اسٹاک ایکسچینج اور جایداد (رئیل اسٹیٹ) کے کاروبار میں تیزی جس کے نتیجے میں لوگ لکھ پتی اور کروڑ پتی ہو گئے ہیں، سٹہ بازی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ معاشی پالیسیوں کی خوبیوں کی وجہ سے نہیں ہے۔ ملک میں بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا اشرافیہ طبقہ ڈاکوؤں کے سردار بن چکے ہیں۔ ان پر کوئی ٹیکس نہیں لگتا۔ عام آدمی تمام براہِ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں کے بوجھ تلے پس رہا ہے اور جو استحصال کرنے والا طبقہ ہے وہ کسی بھی قابلِ ذکر ٹیکس سے مبرا ہے۔ عدمِ مساوات میں غیر معمولی اضافے کے باعث معاشرہ تقسیم اور پولارائزیشن کا شکار ہو چکا ہے۔ اس خوف ناک صورت حال کا بجٹ میں ذکر تک نہیں ہے۔

۶- جہاں تک حکومت کے اس دعوے کا تعلّق ہے کہ ملک میں مالیاتی ڈسپلن قائم ہو گیا ہے، یہ محض ایک افسانہ ہے۔ بجٹ کا خسارہ ۳ کھرب سے زیادہ ہے، جب کہ بیرونی اور اندرونی دونوں طرح کے قرضوں کے بوجھ میں اضافہ ہوا ہے۔ پچھلے سات برسوں میں قرضوں کا کُل حجم بڑھ کر ۱۵ کھرب روپے ہو چکا ہے، جب کہ قرضوں سے نمٹنے کی سرکاری حکمت عملی مکمل طور پر ناکارہ ثابت ہوئی ہے۔ حکومت کی مالیاتی ناکامی کا ایک اور منہ بولتا ثبوت تقریباً ۴۰ ارب ڈالر کا قومی مقاصد کے لیے مفید استعمال نہ کرنا ہے، جس میں ۲۶ ارب ڈالر وہ ہیں جو بیرونِ ملک پاکستانیوں نے بھیجے ہیں اور ۱۰ سے ۱۲ ارب ڈالر وہ ہیں جو بیرونی امداد کے طور پر وصول کیے گئے ہیں۔ یہ خطیر وسائل سرمایہ کاری میں نہیں گئے، زیادہ تر خرچ شان و شوکت کے لیے، جایدادوں کی خرید و فروخت میں اور اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کی صورت میں ہوا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ملک کی حالت اس فرد کی سی ہے جو چادر سے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے۔ اس سلسلے میں خود حکمرانوں نے بدترین مثالیں قائم کی ہیں۔ غیر پیداواری اخراجات میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ یہی حال مسلح افواج کر

بجٹ کا ہے جسے ۰۸-۲۰۰۷ء کے لیے تین کھرب کر دیا گیا ہے جو ۱۹۹۹ء کے مقابلے میں ڈھائی گنا زیادہ ہے۔ اس سے معیشت عدمِ توازن کا شکار ہوئی ہے۔ موجودہ حکومت کو حکمت عملی کی ناکامی کے لیے یقیناً جواب دہ ہونا پڑے گا۔

آخری بات یہ کہ اس سال ضلعی اور تحصیل حکومتوں کے علاوہ یونین کونسلوں کو جو بے حساب اور غیر منطقی طور پر زیادہ رقوم فراہم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے' یہ دراصل انتخابات میں استعمال کے لیے دی جانے والی سیاسی رشوت ہے۔ یہ عوام کے خون پسینے کی کمائی کا بدترین اور بددیانتی پر مبنی استعمال ہے۔ یہ رقوم صرف سرکاری پارٹی سے متعلق افراد کو دی جارہی ہیں۔

اس تبصرے کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ بجٹ (۰۸-۲۰۰۷ء) اس قابل ہے کہ اسے پارلیمنٹیرین بالکل اُسی طرح ایوان سے باہر پھینک دیں جس طرح ۸۷-۱۹۸۰ء کے جناب یٰسین وٹو کی طرف سے پیش کیے گئے بجٹ کے ساتھ ہوا تھا۔ اس سال کے بجٹ کا بھی وہی حشر ہونا چاہیے۔ کیا قومی اسمبلی اس ضمن میں اپنا قومی اور اخلاقی فریضہ ادا کرے گی یا وردی والی حکومت کے سامنے سرتسلیم خم کر دے گی؟

پابند آزادی اور مطلق آزادی

شاہ نواز فاروقی ○

عدلیہ کی آزادی کی تحریک کے ضمن میں، پاکستان میں آزادیِ اظہار کا مسئلہ ایک بار پھر معرض بحث میں آ گیا ہے۔ یہ ان معنوں میں 'فطری' بات ہے کہ وطن عزیز میں کوئی حکومت ایسی نہیں رہی جس نے کسی نہ کسی عنوان سے پریس کی آزادی پر شب خون نہ مارا ہو۔ جنرل ایوب نے پریس پر کالے قوانین مسلط کیے جن سے نجات حاصل کرنے میں پاکستانی قوم کو تقریباً دو عشرے لگ گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے سیاست دانوں کے ساتھ صحافیوں کو بھی فکس اَپ (Fix up) کرنے کی روایت ڈالی۔ جنرل ضیاء الحق نے صحافیوں کو کوڑوں کے ساتھ ساتھ توڑوں کے تحفے دیے۔ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے ادوار میں صحافیوں پر بغاوت کے مقدمے قائم ہوئے اور ایک دن میں چھ چھ اخبارات کو زبان پر تالے لگانے پڑے۔ جنرل پرویز بھی اسی ورثے کے امین ہیں۔ پاکستانی حکمرانوں کی اس طویل روایت کو دیکھا جائے تو خیال آتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں کا آئیڈیل ایک ایسی قوم ہے جو مستقلاً اندھی، بہری اور گونگی ہو۔ اس کی وجہ ہے اور وہ یہ کہ وطن عزیز میں قانون کی حکمرانی کے بجائے حکمرانوں کا قانون چلتا ہے جس کے باعث پریس اور حکومت کے درمیان ایک دائمی آویزش برپا رہتی ہے۔ حکومت جن حقائق کو چھپانا چاہتی ہے، پریس کا کام ان حقائق کو سامنے لانا ہے۔ حکمرانوں اور پریس کے درمیان یہ کش مکش ختم ہوسکتی ہے بشرطیکہ حکومت بھی 'حق وصداقت' کی علم بردار بن جائے۔

○ تجزیہ نگار، ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل، کراچی

ہماری قومی تاریخ کا یہ عجیب پہلو ہے کہ ذرائع ابلاغ کو ہر دور میں آزادیِ اظہار دریافت یا ایجاد کرنی پڑتی ہے اور آزادیِ اظہار کا مسئلہ ہر عہد میں نئے طریقے سے سامنے آتا ہے۔ ایک ایسی قوم جسے آزاد ہوئے ۶۰ برس ہونے کو آرہے ہیں' اس کے حوالے سے یہ عمل حیران کن ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزادی کے ۵۹ سال بعد بھی آزادی ہمارے دانش وروں اور صحافیوں کے لیے 'قدر' نہیں بن سکی۔ اس سلسلے میں امریکا کے جج لرنڈ ہینڈ (Lerned Heand) نے ایک بے مثال فقرہ کہا ہے:

'آزادی انسانوں کے دل میں ہوتی ہے اور جب یہ دل میں مر جاتی ہے تو پھر دنیا کا کوئی آئین' کوئی قانون اور دنیا کی کوئی عدالت اس کا تحفظ نہیں کرسکتی'۔ (The *Naked Society* By Vance Packard' ص ۱۴)

پاکستان کے عدالتی بحران اور پریس کی آزادی کے حوالے سے شاید ہی اس سے بہتر بات کوئی کہی جاسکے۔

آزادی کے دل میں ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے 'قدر' بن گئی ہے۔ بلاشبہہ قانون' آئین اور عدالتیں اسے تحفظ فراہم کرتی ہیں اور صحافی آئین پر عمل درآمد کے مطالبے کا 'حق' رکھتے ہیں لیکن اگر آزادی دل میں نہ ہو تو آزادیِ اظہار کے سلسلے میں قانون اور آئین کے حوالے بیساکھیاں بن جاتے ہیں اور آزادیِ اظہار کا مطالبہ 'بھیک' کا تاثر پیدا کرنے لگتا ہے اور آزادی بہرحال بھیک ہے' نہ بھیک میں ملتی ہے۔ جس کے لیے آزادیِ اظہار سانس لینے کی طرح اہم ہوتی ہے' وہ اس کا استعمال کرتا ہے' تمام خطرے مول لیتا ہے اور اس کی قیمت ادا کرتا ہے۔ ہماری قومی و ملی تاریخ اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر' حسرت موہانی' سید ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا ظفر علی خان ـــــ ناموں کی یہ فہرست طویل ہے لیکن لفظ کی حرمت کی پاس داری کی اتنی شان دار تاریخ رکھنے والی قوم جبر اور آزادیِ اظہار کے درمیان معلق ہے۔ استثنائی مثالوں سے قطع نظر' یہ قوم آزادیِ اظہار 'مانگتی' ہے' اسے بروے کار نہیں لاتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے لیے آزادی 'اضافی' ہے' بنیادی نہیں۔

ایک ایسا ملک جس کے بانی قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی قوم کے دشمن کے لیے بھی

آزادیِ اظہار کا حق تسلیم کیا ہو' اس کے حوالے سے یہ صورت حال افسوسناک ہے۔ قائداعظم نے بھارتی صحافی ڈی ایف کراکا سے فرمایا: ''ہمارا ہر نکتے پر اختلاف ہے۔ آپ نے مسلسل ہمارے خلاف جنگ کی ہے لیکن میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے جو کچھ لکھا' آپ کو اس پر مکمل یقین تھا''۔ (صحافت پابند سلاسل از ضمیر نیازی' ص ۵۱)

ہماری قومی صحافت اور ذرائع ابلاغ کا یہ عجیب پہلو ہے کہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت تو انھیں شاذ ہی ہوتی ہے' البتہ معاشرے میں منفی رجحانات کے فروغ کے حوالے سے انھوں نے خود بھی آزادی کا خوب استعمال کیا ہے اور حکمرانوں کی جانب سے بھی انھیں اس سلسلے میں کسی سنسرشپ اور روک ٹوک کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں ممتاز صحافی صلاح الدین شہید کا یہ تبصرہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اپنے مضمون 'آزادیِ اظہار یا آزادیِ آزار' میں انھوں نے لکھا:

> اگر کوئی کہے کہ کراچی کے حالات بگاڑنے میں اور پورے ملک میں صوبوں' علاقوں اور لسانی گروہوں میں چیرنے پھاڑنے کے عمل میں سرفہرست کون ہے؟ تو میں گردن جھکا کر کہوں گا: 'قومی پریس' (صحافت اور تشدد' طاہر مسعود' ص ۶۷)

صلاح الدین شہید کا یہ تبصرہ ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ اس وقت سے آج تک حالات مسلسل خراب ہوئے ہیں۔ جنرل پرویز مشرف کے دور میں تو یہ صورت حال رونما ہوئی کہ اخبارات کے صفحات اور ٹی وی چینلوں کے پروگراموں میں مصورِ پاکستان علامہ اقبال اور بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح پر رکیک حملے ہوئے۔ بعض ٹی وی چینلوں پر حدود اللہ کے خلاف کھلم کھلا مہم چلائی گئی۔ کچھ چینلوں پر ہم جنس پرستی کے لیے جواز جوئی کی جرأت بھی دیکھنے میں آئی۔ ایک ٹی وی چینل نے صنفی امتیاز کے تصور پر کلہاڑا چلاتے ہوئے بیگم نوازش علی کا کردار متعارف کرا ڈالا۔ طوائفوں کے کرداروں اور ان کی زندگی پر مبنی ڈراموں کی بھرمار اور بھارتی فلموں کی یلغار اس کے علاوہ ہے۔ قائداعظم کے نزدیک قومی صحافت یا قومی ذرائع ابلاغ کا تصور یہ تھا کہ ان کے دل 'مسلم قوم' کے ساتھ دھڑکتے ہوں لیکن ۲۰۰۷ء تک آتے آتے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ بالخصوص ٹی وی چینلوں کا دل کیا بل بھی پاکستانی نہیں رہا۔

ذرائع ابلاغ کے لوازمے کی دو صورتیں ہیں: ۱-خبری لوازمہ ۲-تفریحی لوازمہ

جن قوموں کے سامنے قومی ایجنڈا واضح ہوتا ہے' وہاں ذرائع ابلاغ بھی وسیع تر معنوں میں قومی ایجنڈے کو سامنے رکھتے ہیں۔ اس سے ان کے خبری اور تفریحی لوازمے میں ایک طرح کی معروضیت اور ذمہ داری خود بخود پیدا ہو جاتی ہے لیکن ہمارے یہاں تو حکمرانوں کے ساتھ قومی ایجنڈا بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک 'ٹاک شو' میں ملک کے کئی معروف ٹی وی میزبانوں نے تسلیم کیا کہ ان کے پروگراموں کے موضوعات بھی 'اوپر' طے ہوتے ہیں اور ان کے شرکا بھی۔

ٹی وی چینلوں کے پروگراموں میں سب سے زیادہ مقبولیت گفتگو کے پروگراموں کو حاصل ہوئی ہے' جنھیں عرف عام میں ٹاک شوز کہا جاتا ہے۔ ہماری مذہبی روایت میں گفتگو کا مفہوم کیا ہے؟ یہ جاننے کے لیے تصوف کی مشہور زمانہ لغت سردلبراں کا ص ۲۹۰ دیکھنا چاہیے' جہاں لکھا ہے' گفتگو کا مطلب ہے: 'ہر وہ چیز جو محبت انگیز ہو'۔ یہ صرف ہمارا معاملہ نہیں' دنیا میں جس شخص کو تہذیب کا لمس میسر آیا ہے' اس نے گفتگو یا مکالمے کو بڑی اہمیت دی ہے۔ انگریزی کے ممتاز نقاد اور شاعر رالف والڈو ایمرسن نے اپنے ایک دوست سے کہا:

I would gladly walk a hundred mile through snow storm for one good conversation.

اگر ایک اچھی گفتگو کے لیے مجھے برفانی طوفان میں 100 میل کا سفر طے کر کے جانا پڑے تو میں بخوشی جاؤں گا۔ (The Way Things Are by Hustonsmith' ص ۱۰)

البتہ ہمارے ٹی وی چینلوں پر گفتگو کے بعض پروگراموں میں نہ قومی زندگی کے بنیادی مسائل اور موضوعات کا تعیّن ہوتا ہے' نہ ان سے ناظرین کی ذہنی سطح بلند ہوتی ہے۔ پروگراموں کے پروڈیوسروں اور میزبانوں کی کوشش بظاہر یہ لگتی ہے کہ وہ تنازع (controversy) پیدا کرنے کے لیے کوشاں ہیں مگر انھیں معلوم نہیں کہ صحافت میں تنازع برپا کرنے کی تین بڑی صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک 'انکشاف' دوسری خیالات کا ٹکراؤ' تیسری انحرافی یا ڈگر سے ہٹی ہوئی گفتگو۔ لیکن ہمارے ٹاک شوز میں ان چیزوں کا خلا الزام تراشی اور جوابی الزام تراشی سے پُر کیا جا رہا ہے۔

تفریحی لوازمے کا دائرہ تہذیب و ثقافت کا دائرہ ہے اور اس شعبے میں تو ہمارے ذرائع ابلاغ نے آزادیِ اظہار کے نام پر قیامت ہی ڈھا دی ہے۔ امریکا کی ایک اشتہاری کمپنی یونی لیور کا اشتہاری سلوگن تھا: Soap is civilization 'صابن تہذیب ہے'۔ (*The Visual Culture Reader* edited by Nicholas Mirzoeff' ص ۳۰۵)

ہمارے ذرائع ابلاغ مغربی فکر کی یلغار کے زیراثر تہذیب و ثقافت کے تصور کو اس سطح پر گھسیٹ کر لا رہے ہیں اور قوم کو بتا رہے ہیں کہ صابن تہذیب ہے' شیمپو ثقافت۔ صبح مارجرین سے طلوع ہوتی ہے اور سورج اوولٹین میں غروب ہوتا ہے۔ شرم و حیا نفسیاتی عارضے اور اعتماد کی شدید کمی کے شاخسانے ہیں اور بے باکی شخصیت کی پختگی کا اظہار۔ ان سب کا لب لباب ہے ؏

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کاش! ہمارے معاشرے نے علامہ اقبال اور مولانا مودودیؒ کے اس تجزیے پر توجہ دی ہوتی کہ تہذیبوں کی تعریف ان کے رہن سہن' لباس اور تراش خراش کی بنیاد پر نہیں' ان کے تصورِ الٰہ' تصورِ علم' تصورِ انسان' تصورِ روح' تصورِ نفس' تصورِ تخلیق اور کامیابی و ناکامی کے حتمی پیمانے کی بنیاد پر متعین ہوتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری قوم کو 'صابن تہذیب ہے' کی بات علمی سطح پر معلوم نہیں مگر وہ بسر اسی تصور کو کر رہی ہے۔ مغرب کا کلچر حسی اور بصری (sensual and visual) ہے اور اس کا یہی اثر ہوتا ہے۔ اس کا علم اور تفہیم ضروری نہیں۔ یہ مغربی تہذیب کے بارے میں اتنی بنیادی بات ہے کہ جسے سمجھے بغیر ہم مغرب اور اس کے مقامی آلۂ کاروں کا مقابلہ تو کیا کریں گے' ہم ان کے سامنے صرف کھڑے ہونے کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہمارے ذرائع ابلاغ کی ایک عجیب تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ جہاں تک خبری لوازمے اور اس کے توسیعی دائرے کا تعلق ہے تو یہاں ذرائع ابلاغ خود بھی اپنے اوپر سنسر عائد کر رہے ہیں اور حکومتی سنسر بھی ان کے لیے قابلِ قبول ہے۔ یہاں تک کہ کسی واقعے یا سانحے کے سلسلے میں آزادی کا مظاہرہ کرنا ہے تو کر لیا جائے مگر اس پر بھی 'پابند آزادی' کی مہر یا 'آرڈر پر تیار شدہ' کا بورڈ لگا ہوتا ہے۔ البتہ تفریحی لوازمے کے سلسلے میں ذرائع ابلاغ کو نہ آسمانی ہدایت کی پروا ہے' نہ زمینی احکامات کا خیال۔ ان کے سامنے صرف کارپوریٹ کلچر اور اس

کے تقاضے ہیں اور بس۔

حالانکہ یہ ذرائع ابلاغ ایک مسلمان معاشرے کے ذرائع ابلاغ ہیں۔ ان کے کارپرداز کتنے بھی گئے گزرے کیوں نہ ہوں، اللہ رسول کا نام تو لیتے ہیں۔ پاکستانی ہیں، جس کے دستور نے زندگی گزارنے کے لیے کتاب و سنت کو معیار مقرر کیا ہے۔ انھیں اپنے شہریوں کو سنانے اور دکھانے کے لیے اقدار سے بے بہرہ نہیں ہو جانا چاہیے کہ اس طرح سب کچھ تہذیب کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ چند لمحات کی نفسانی تسکین فراہم کر کے، اپنے لیے عذابِ الیم کا سودا کوئی دانش مندی کی بات نہیں۔ اگر حکومت ملک کے عوام کی خواہشات کی آئینہ دار ہے (سمندر پار کی کسی میگا پاور کے مفادات کی نگہبان نہیں) تو وہ ذرائع ابلاغ کو اسی نقطۂ نظر سے آزادی بھی دے گی اور پابند بھی کرے گی۔

الفوز اکیڈمی ، اسلام آباد

کے زیرِ اہتمام

دین کے جامع تصور ، فکری ، علمی اور عملی تربیت کے لیے اقامتی

قرآنی عربی کورس

(21 جولائی 2007ء تا 12 اگست 2007ء)

جدید تعلیم یافتہ افراد ، ڈاکٹروں ، انجینیروں اور مدرسینِ قرآن
وغیرہ کے لیے کم وقت میں قرآنی عربی سیکھنے کا نادر موقع

کم سے کم لیاقت انٹرمیڈیٹ ہوگی۔ گریجویٹ افراد کو ترجیح دی جائے گی

تعلیم و رہایش مفت

زرِ طعام و کتب 3 ہزار روپے کے ساتھ آج ہی اپنا نام رجسٹر کرائیے

○ ہر لیکچر کے ساتھ کتابچہ یا ہینڈ آؤٹ فراہم کیا جائے گا

خواتین Day Scholar کے طور پر زرِ طعام کے بغیر صبح 8:30 تا 1:00
اور عصر تا عشاء کے پروگراموں میں شرکت کر سکیں گی

الفوز اکیڈمی کی 15 کتابوں کا مکمل سیٹ رعایتی قیمت 1,300 روپے میں
عربی قواعد کی دو جلدوں کے بغیر 13 کتابوں کا سیٹ 650 روپے میں دستیاب ہے

رابطہ

الفوز اکیڈمی ، گلی نمبر 15 ، پولیس فاؤنڈیشن ، E-11/4 ، گولڑہ ، اسلام آباد

Tel: 051-210-67 83 / 211-26 50 Fax: 051-211-26 51 / 210-63 66

Email:chishti@apollo.net.pk

مغرب میں بڑھتی ہوئی مسلم آبادی

رضی الدین سید ٥

مغرب ہمیں 'کم بچے خوش حال گھرانا' کا سبق پڑھا رہا ہے۔ ہمارے حکمران اسے ترقی کے پھل ہر گھر تک پہنچانے کا نسخہ سمجھ کر بے سوچے سمجھے اس پر دل و جان سے عمل پیرا ہیں' لیکن خود مغرب کو جو قانونِ قدرت سے لڑنے میں ایک مدت گزار چکے ہیں اس کے کیا پھل مل رہے ہیں' اس نے ان کے اہلِ فکر کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس پر مستزاد اس مسئلے میں مسلم عنصر کا دخل بھی ہے جس کی وجہ سے انھیں کافی ڈراؤنے خواب آ رہے ہیں۔ معلوم نہیں کیا سمجھ کر خود ہی تائن الیون کیا' اور کیوں خود ہی اپنی رات کی نیندیں حرام کر لی ہیں۔ بے بنیاد افواہ پر بھی شہر کے شہر سُونے ہو سکتے ہیں۔ مل جل کر رہنے کے بجائے' تصادم کا راستہ اپنایا' اب اسی کے نتائج کا سامنا کر رہے ہیں۔ مالتھس نے نظریہ پیش کیا' مغربی تہذیب نے اسے اپنا لیا۔ اس کے پیچھے یہودی ہاتھ بتایا جاتا ہے جس نے اس طرح عیسائی دنیا کو مسائل کا شکار کر دیا۔

تاریخ نے دیکھا ہے کہ تاتاریوں کے قبولِ اسلام کے بعد کعبے کو صنم خانے سے پاسباں مل گئے' آج بھی یہ عمل دہرایا جا سکتا ہے اس لیے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر آج مسلمان صرف رفتارِ پیدائش پر تکیہ نہ کریں' بلکہ عصرِ حاضر کے دعوتی تقاضوں کو کماحقہ پورا کریں' چیلنجوں کا ادراک کریں اور ان کا قرار واقعی مقابلہ کریں تو جو بات مغرب کے اہلِ فکر کچھ دُور دیکھ رہے ہیں' اللہ اپنی مشیت سے اسے بہت جلدی برپا کر سکتا ہے۔ اگر غیر مسلم معاشرے مسلمان

---

٥ ڈائرکٹر' نیشنل اکیڈیمی آف اسلامک ریسرچ' کراچی

ہو جائیں تو ہمیں اور کیا چاہیے۔ ہمارے لشکر جب کہیں حملہ کرنے جاتے تھے تو پہلا آپشن یہی دیتے تھے۔ نئے تناظر میں سارا مغرب دارالدعوۃ ہے۔ ہم جو وہاں موجود ہیں' اسلام کے سچے داعی ہوں' اور ہم ۱۵۷ نہ سہی' ۱۰' ۲۰ ممالک میں اسلامی معاشرہ قائم کرلیں' تو رسل و رسائل کی ترقی کی وجہ سے اس کے اثرات پریشان اور سکون سے محروم معاشروں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائیں گے۔ انسان اپنے فطری دین کی طرف پلٹ آئے گا۔

عیسائی مملکتوں میں آبادی آج اتنی گھٹ گئی ہے کہ وہاں خطرے کا الارم بج چکا ہے۔ دسیوں قسم کے خطرے وہاں کے حکمرانوں اور دانش وروں کو آیندہ محض چند برسوں میں پیش آتے نظر آرہے ہیں۔ اسی حوالے سے بعض چونکا دینے والے حقائق قابلِ غور ہیں:

- برطانوی ماہرین اپنے ملک میں خطرناک حد تک کم شرح پیدایش سے انتہائی پریشان ہیں (روزنامہ اسلام' کراچی' ۲۵ جنوری ۲۰۰۶ء) کیونکہ وہاں ملک چلانے کے لیے مطلوبہ افراد موجود نہیں ہیں۔
- آیندہ تین عشروں میں (یعنی ۲۰۳۰ء تک) جاپان' یورپ اور امریکا میں بچوں کے چچا' ماموں اور پھوپھا نہیں ہوں گے بلکہ ان کے رشتے دار صرف دادا اور پردادا ہوں گے کیونکہ وہاں بچوں (بھائی بہنوں) کی پیدایش خطرناک حد تک گر گئی ہے۔ (معارف فیچر سروس' ۱۶ مئی ۲۰۰۱ء)
- ۲۰۴۰ء تک برطانیہ میں عیسائی آبادی ۷۲ فی صد سے گھٹ کر صرف ۳۲ فی صد رہ جائے گی۔ (نواے وقت' کراچی' ۶ ستمبر ۲۰۰۵ء)
- جاپان کا معاشرہ اس وقت ایک ایسا معاشرہ ہے جو بچوں سے خالی ہے کیونکہ وہاں شرح پیدایش تیزی سے گر گئی ہے۔ جاپانی خواتین کی انجمنوں کا کہنا ہے کہ معاشرے کا عمومی رویہ بچے پیدا کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ (نواے وقت' کراچی' ۵ دسمبر ۲۰۰۶ء)
- جاپان میں اگر بچوں کی شرح پیدایش موجودہ ۲۹ء۱ کے حساب سے برقرار رہی تو ۳۳۰۰ء تک پوری جاپانی قوم دنیا سے ختم ہو جائے گی۔ (معارف فیچر سروس' کراچی' ۱۶ فروری ۲۰۰۶ء بحوالہ ٹائم میگزین' ۱۶ جنوری ۲۰۰۶ء)

- روس میں شرح پیدایش آج ۱ء۳۰ ہے، جب کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں یہ ۲ء۳ تھی۔ (نیوز ویک، ۴ نومبر ۲۰۰۶ء)
- فرانس میں ایک خاتون پر بچوں کی اوسط تعداد آج ۱ء۹ ہے، جب کہ آبادی میں اضافے کے لیے اسے کم از کم ۲ء۰۷ ہونا چاہیے۔ (معارف سروس فیچر، کراچی، ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۵ء بحوالہ ٹائم میگزین ۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء) گویا فرانس کی شرحِ پیدایش کو اس وقت موجودہ سے ڈیڑھ گنا ہونا چاہیے۔
- فرانس میں زیادہ بچے پیدا کرنے والی ماؤں کے لیے پُرکشش مراعات کا اعلان کیا گیا ہے کیونکہ وہاں شرحِ پیدایش خطرناک حد تک گر گئی ہے جو شرحِ اموات سے بھی کم ہے۔ (روزنامہ اسلام، کراچی، ۲۵ ستمبر ۲۰۰۵ء)
- آسٹریلیا میں بھی کم سن لڑکیوں کے حاملہ ہو جانے کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے اور بچے کی پیدایش پر انھیں بونس دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ پہلے انھیں ۲۱۰۰ امریکی ڈالر فی بچہ دیے جائیں گے جسے بڑھا کر بعد میں ۳۵۰۰ امریکی ڈالر کر دیا جائے گا۔ (نواے وقت، کراچی ۳۰ جون ۲۰۰۶ء)
- دنیا میں ۲۰۵۰ء تک ہر تین میں سے ایک فرد بوڑھا ہوگا۔ ۲۰۵۰ء تک جاپان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، یورپ اور جنوبی امریکا میں سالانہ ۱۰ لاکھ افراد کی کمی ہوگی، جب کہ اس سال تک جاپان میں ۸۰ فی صد آبادی بوڑھوں پر مشتمل ہوگی۔ (روزنامہ عوام، کراچی، ۸ مارچ ۲۰۰۵ء بحوالہ رپورٹ اقوام متحدہ)
- چین کے ایک صوبے گوانگ ڈونگ میں حکومت نے فی خاندان ایک بچے کے حکم کی خلاف ورزی کے جرم میں خواتین کے ۲۰ ہزار حمل ضائع کروا دیے۔ (نواے وقت، کراچی، اے این پی ۹ اگست ۲۰۰۱ء)
- چین میں ایک بچے کی پالیسی کی وجہ سے لڑکیاں 'قتل' کی جارہی ہیں۔ اندازہ ہے کہ ۲۰۲۰ء تک ۳۰ کروڑ چینی لڑکے اپنے لیے بیوی تلاش نہیں کرسکیں گے۔ (روزنامہ جسارت، ۳۰ مئی ۲۰۰۷ء)

آبادی میں کمی کے جو حقائق اُوپر بیان کیے گئے ہیں، آبادی منصوبہ بندی کا وہ صرف ایک پہلو ہیں۔ یعنی کام کرنے والے ہاتھوں کی شدید کمی۔ لیکن اس کا دوسرا پہلو بھی اہمیّت کا حامل ہے وہ یہ کہ یورپ اور امریکا میں مقامی عیسائی آبادی کا تناسب تیزی سے کم، اور مسلم آبادی کا تناسب تیزی سے زیادہ ہو رہا ہے۔ مغرب اس وقت افزایش نسل پر عمل پیرا نہیں ہے۔ اگرچہ تحدید آبادی کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا ہے، لیکن اس کے باوجود ایک مسلم خاندان میں آج بھی تین چار بچے تو ہوتے ہی ہیں۔ یوں آبادی کا تناسب ازخود مسلمانوں کے حق میں جا رہا ہے۔ دوسری طرف مغرب میں افرادِ کار کی شدید قلت کے باعث اسلامی ممالک سے مسلم نوجوانوں کی مغرب میں تیزی سے آمد کے باعث بھی وہاں مسلمانوں کی آبادی عیسائیوں سے بڑھ رہی ہے، یا کم از کم ان کے برابر آ رہی ہے۔ وہ اپنے ہاں مسلمانوں کی آمد کو روک نہیں سکتے کیونکہ انھیں اپنا کاروبارِ ریاست بھی چلانا ہے۔ یوں آبادی کے لحاظ سے وہ دوطرفہ دباؤ میں ہیں۔ وہاں کے دانش ور، صحافی، پروفیسر اور حکمران سب واویلا مچا رہے ہیں کہ اگر آبادی کا تناسب اسی طرح الٹا رہا تو عیسائی خود اپنے ہی ممالک میں اقلیت بن کر رہ جائیں گے۔ ملاحظہ ہو:

- مشہور اطالوی صحافی خاتون اوریانا فلاسی نے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ آیندہ ۲۰ برس کے اندر نصف درجن یورپی شہر ۳۰ تا ۴۰ فی صد مسلمان ہو جائیں گے اور اسلام کی ایک کالونی بن جائیں گے۔ اس نے کہا کہ اس کی اصل وجہ یورپ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ (ڈان، کراچی، ۱۳ مارچ ۲۰۰۵ء)
- آج یورپی یونین کے اہم رکن فرانس میں مسلمانوں کی آبادی ۵۰ لاکھ (یعنی یورپ میں سب سے بڑی مسلم آبادی) اور جرمنی میں ۳۵ لاکھ ہے۔ آیندہ چند عشروں میں یورپ کے کئی بڑے شہروں کے مسلم اکثریتی شہر بننے کا امکان ہے۔ (نواے وقت، کراچی، ۱۹ جون ۲۰۰۵ء)
- یورپ میں اشاعتِ اسلام کی رفتار اگر یہی رہی تو آیندہ ۲۵ برسوں میں مسلمانوں کی تعداد وہاں ۶ کروڑ سے تجاوز کر جائے گی۔ (واضح رہے کہ اکثر یورپی ممالک کی آبادی بمشکل ۵ تا ۶ کروڑ ہے)۔ یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت کی مخالفت کی ایک بڑی وجہ اس کی مسلم آبادی بھی ہے جس کے باعث یورپی یونین کی مسلم آبادی عیسائی آبادی سے بڑھ

جائے گی۔(جنگ ' کراچی' ۱۶فروری ۲۰۰۷ء)

- برطانوی پالیسی ساز ادارے کرسچین ریسرچ کے مطابق ۲۰۲۲ء تک برطانیہ کے ۴ ہزار چرچ بند ہوجائیں گے۔(نواے وقت ' کراچی' ۱۵مارچ ۲۰۰۷ء)
- مشہور مستشرق برنارڈ لیوس نے پیشن گوئی کی ہے کہ ۲۱ویں صدی کے اختتام یعنی ۲۰۹۰ء تک سارا یورپ مسلم اکثریتی علاقہ بن جائے گا۔(نواے وقت ' کراچی' ۱۹جون ۲۰۰۵ء)

مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی اور بنیاد پرستی کا جو عالمی پروپیگنڈا ہورہا ہے' اس سے خیر کا یہ پہلو برآمد ہوا ہے۔ مغرب میں اسلام کو سمجھنے اور پھر قبول کرنے کا رجحان بڑھا ہے۔ اس وقت جاپان سمیت امریکا اور یورپ میں مقامی عیسائی آبادی کے قبولِ اسلام کے واقعات تیزی کے ساتھ رونما ہورہے ہیں جس میں ان کے نمایاں اور ممتاز افراد بھی شامل ہیں۔

- یورپی نوجوانوں میں اسلام سے دل چسپی کا رجحان بہت بڑھا ہے۔ اس لیے یورپی ممالک کو اندیشہ ہے کہ وہاں اسلامی انقلاب کی آواز زیادہ بلند ہوجائے گی۔(نواے وقت' ۱۹جون ۲۰۰۵ء)
- فرانس اور برطانیہ میں گذشتہ ۱۰ برسوں کے اندر ایک لاکھ سے زیادہ مقامی افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔(جنگ ' کراچی' ۱۶فروری ۲۰۰۷ء بحوالہ ایک فرانسیسی جریدہ)
- امریکی عیسائیوں میں قرآن پاک کے مطالعے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ (نواے وقت ' کراچی' ۴جون ۲۰۰۵ء)
- امریکا میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ ہے' جب کہ ہر سال ۶ فی صد کے حساب سے ۲۰ ہزار لاطینی امریکی اسلام قبول کررہے ہیں (نواے وقت ' کراچی ۷فروری ۲۰۰۵ء)۔ واضح رہے کہ شمالی امریکا میں لاطینی امریکیوں کی بھی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔
- فرانس میں مساجد کی تعداد ۴ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ تحقیقی ادارے اسلام آرکائیوز سنٹرل انسٹی ٹیوٹ نے تخمینہ پیش کیا ہے کہ ۲۰۴۶ء تک مسلمان جرمنی کی اکثریتی آبادی بن جائیں گے۔ گلاسگو یونی ورسٹی برطانیہ میں مذہبی مطالعے کی پروفیسر نکول بورگ کا کہنا ہے کہ وہ تنہا گلاسگو کے علاقے میں ۲۰۰ ایسے افراد کو جانتی ہے جنھوں نے عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کیا ہے۔(نواے وقت ' کراچی' ۵مارچ ۲۰۰۷ء)

○ آسٹریلیا کی ایک نومسلم خاتون عائشہ نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ یہاں ہر ہفتے آپ کو ملک بھر سے نئے لوگوں کے مسلمان ہوجانے کی خبریں سنائی دیتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آسٹریلیا میں مسلمان ہونے والی ۸۰ فی صد تعداد خواتین کی ہوتی ہے۔ (مضمون از پال لمیاتھاکس، جنگ سنڈے میگزین، ۲۹ اپریل ۲۰۰۷ء)

مغرب میں مسلمانوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ عیسائیوں کی تہذیب و ثقافت پر مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اثرانداز ہورہی ہے۔ یورپ اور امریکا کے ہر بڑے شہر میں مسجدوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور بلند ہوتے ہوئے مینار جابجا اسلامی اثرات کو نمایاں کررہے ہیں۔ وہاں سڑکوں پر اسکارف پہنی خواتین اور داڑھی ٹوپی والے مرد زیادہ نظر آنے لگے ہیں۔ دکانوں پر عربی اور دوسری مشرقی زبانوں کے بورڈ بھی پہلے سے زیادہ آویزاں نظر آتے ہیں۔ اُردو اور عربی اخبارات و رسائل کی اشاعت میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔ مسلم آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث اب وہاں مقامی اور ریاستی حکومتوں میں مسلم شخصیات کی تعداد بڑھ رہی ہے، جب کہ ایوانِ عام اور ایوانِ بالا میں بھی مشرقی و نومسلم افراد نشستیں حاصل کررہے ہیں۔ حال ہی میں امریکی کانگریس میں ایک نومسلم فرد نے قرآن پاک پر حلف اٹھانے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ نواے وقت (کراچی، ۲۱ مئی ۲۰۰۷ء) کی ایک خبر کے مطابق فرانس میں پہلی بار ایک مسلمان خاتون وزیر نے حکومت میں شمولیت اختیار کی ہے۔ اس خاتون کا تعلّق شمالی افریقہ سے ہے۔ لہٰذا جیسے جیسے ان ممالک میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا، مرکزی حکومتوں اور سینیٹ و کانگریس میں ان کی نمایندگی کا تناسب بھی بڑھتا چلا جائے گا۔

مسلم آبادی میں اضافے کی وجہ سے مغرب میں عملی، دعوتی اور اسلام پسند نوجوانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگا اور ان کے اثرات وسیع ہوں گے۔ لہٰذا مغرب جو یہ خدشہ ظاہر کررہا ہے کہ عنقریب عیسائی دنیا اپنے ہی اکثریتی علاقوں میں اقلیت بن کر رہ جائے گی اور مسلمان وہاں غالب آجائیں گے تو اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ اس سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ یورپی عیسائی ایک بار پھر اپنی آبادی بڑھانے کی کوشش کریں۔ لیکن مغربی مرد و عورت اپنے عیش و آزادی میں اب اتنے آگے جاچکے ہیں کہ وہاں سے پلٹ کر آنا ان کے بس میں نہیں رہا ہے۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ

پروفیسر خورشید احمد

عربی کا مشہور اور بڑا سچّا مقولہ ہے کہ ''عالم کی موت پورے عالَم کی موت کے مترادف ہے''۔ دنیا میں روشنی علم اور اہلِ علم و تقویٰ کے وجود سے ہے اور زندگی میں سب سے بڑا خسارہ اربابِ علم و تقویٰ کی محبت سے محرومی اور ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے نتیجے میں رونما ہوتا ہے' اور اگر رخصت ہونے والا عالم شخصی طور پر آپ کا استاذ' محسن اور مربی بھی ہو تو پھر یہ نقصان اور بھی سوا ہو جاتا ہے۔ میرے لیے ہی نہیں' تحریک اسلامی' تحریک اہلِ حدیث اور عالمِ اسلام کے ہزاروں طالبانِ علم کے لیے استاد محترم مولانا عبدالغفار حسنؒ کا ۲۲ مارچ ۲۰۰۷ء کو اس دنیاے فانی سے ابدی زندگی کی طرف کوچ ایک ایسا ہی سانحہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقریباً ایک صدی پر پھیلی ہوئی دینی' علمی' دعوتی اور تربیتی خدمات کو قبول فرمائے' انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے' اور جنت میں ان کے درجات کو بلند فرمائے' اللھم اغفرلہٗ وارحمہٗ۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ سے میری پہلی حقیقی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب وہ جماعت اسلامی کے شعبۂ تربیت کے ناظم مقرر ہوئے۔ میں اس وقت جمعیت کے ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری ادا کر رہا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کو دیکھنے کا اس سے پہلے بھی بارہا موقع ملا تھا لیکن وہ سرسری سلام و دعا سے زیادہ نہ تھا' اس لیے اس کا کوئی خاص نقش دل و دماغ پر نہیں۔ البتہ ۱۹۵۴ء سے ملاقاتوں اور استفادے کا جو سلسلہ شروع ہو وہ میری زندگی کا بڑی قیمتی سرمایہ ہے۔ فطری طور پر جس پہلی ملاقات کا میں ذکر کر رہا ہوں اس کا موضوع جمعیت کی تربیت گاہوں میں مولانا عبدالغفار حسنؒ کی شرکت

اور ہمارے پورے تربیتی پروگرام کو مرتب کرنے کے لیے ان کے مشورے اور ہدایات تھیں۔ مولانا کے علم اور خصوصیت سے علمِ حدیث کا رعب تو پہلے سے تھا لیکن اس ملاقات کی سب سے نمایاں یاد مولانا کی طبیعت کی سادگی، جس پر معصومیت کی چھاپ نمایاں تھی اور غرورِ علم کی جگہ کسرِ نفسی اور سب سے بڑھ کر طلبہ کے لیے شفقت اور ان کے سارے ہی مطالبات کو بے چوں و چرا تسلیم کر کے دل موہ لینے والی ادا تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایک بار بھی انھوں نے ہمارے کسی مطالبے کا جواب نفی میں دیا ہو۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۶ تک مجھے مولانا مرحوم سے جمعیت کے پروگراموں کے سلسلے میں بارہا ملنے، گھنٹوں استفادہ کرنے، اور پھر دو روزہ تربیت گاہ سے بڑھ کر ایک ہفتہ اور دس دس دن کی تربیت گاہوں میں ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ بالعموم وہ ہمارے ساتھ ہی قیام فرماتے۔ درسِ حدیث اور اصولِ حدیث تو ان کے خاص موضوع تھے ہی مگر درسِ قرآن اور تربیتی موضوعات پر بھی باقاعدہ تقاریر کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی نشستوں میں ہماری رہنمائی فرماتے اور کبھی کسی سوال پر کبیدہ خاطر نہ ہوتے۔ ان کے علم کے ساتھ ان کی سیرت، ان کی سادگی اور ان کی شفقت کا ہم سب پر گہرا اثر تھا۔ خرم بھائی [خرم مراد] تو ان کے گرویدہ تھے ہی، لیکن ہم سب بھی ان کی شخصیت کے اسیر تھے۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ کے جماعت میں آنے کے بعد بہت تھوڑا عرصہ قریبی تعلقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ ماچھی گوٹھ میں ان سے کئی بار گفتگو ہوئی اور معاملات کا حل نکالنے کے لیے ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر کوٹ شیر سنگھ کی طویل شوریٰ کے دوران جس میں نئے دستور کی تدوین ہوئی برابر ملاقاتیں رہیں۔ بدقسمتی سے اس کے بعد مولانا عبدالغفار حسنؒ جماعت سے مستعفی ہو کر مولانا عبدالرحیم اشرف کے ساتھ فیصل آباد چلے گئے لیکن الحمدللہ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً ان سے ملنے اور استفادے کا موقع ملتا رہا۔ جب وہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاذ حدیث تھے، اس زمانے میں مجھے پروفیسر عبدالغفور اور جناب صادق حسین کے ساتھ مسجد نبویؐ میں اعتکاف کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہر روز ہی مولانا سے ملاقات ہوتی اور ہم ان سے استفادہ کرتے۔ کئی بار انھوں نے درسِ قرآن دیا اور ہمارے بہت سے سوالات کا جواب دیا اور اشکال کی گرہ کشائی فرمائی۔

جمعیت کے زمانے میں مولانا سے حدیث کا سبقاً سبقاً درس لینے کا موقع بھی ملا۔ تقریباً

۸۰ احادیث ہم نے ان سے پڑھیں اور کمالِ شفقت سے ایک بار تربیت گاہ کے آخری پروگرام میں فرمایا کہ حدیث کی روایت کے سلسلے کی آخری کڑی وہ خود ہیں۔ یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نسلاً بعد نسل ۲۴ سلسلوں سے، وہ چند احادیث جن کا انھوں نے ہمیں درس دیا ہے، بلافصل ہم تک بھی پہنچ گئی ہیں اور اس طرح مولانا عبدالغفار حسن کے توسط سے ہم بھی وہ خوش نصیب ہیں جو اپنی ساری کمزوریوں اور محرومیوں کے باوجود اس ذہبی سلسلہ سے مربوط ہوگئے ہیں۔ اس وقت مولانا کے اس فیض خاص پر ہم سب پھولے نہیں سمائے۔ بعد میں ان کی کتاب عظمتِ حدیث میں روایت کے اس پورے سلسلے کو دیکھا تو اور بھی خوشی ہوئی کہ اس طرح ہم کو بھی مولانا کے توسط اور ان کی شاگردی کی نسبت سے اس سلسلے کا دامن تھامنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ کی پیدایش ۲۰ جولائی ۱۹۱۳ء کو ضلع رہتک (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ انھوں نے دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے درس نظامی کی تکمیل اور دورہ حدیث کیا۔ پھر لکھنؤ یونی ورسٹی سے ۱۹۳۵ء میں فاضل ادب عربی اور ۱۹۴۰ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے مولوی فاضل کی سندات حاصل کیں۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، مدرسہ رحمانیہ بنارس اور مدرسہ کوثرالعلم مالیرکوٹلہ میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔

ترجمان القرآن کے ذریعے مولانا مودودیؒ سے تعلق قائم ہوا اور ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی قائم ہوئی تو گو تاسیسی اجلاس میں شریک نہ ہوسکے مگر خط کے ذریعے تاسیسی ارکان میں شامل ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں پاکستان ہجرت کی۔ کچھ عرصہ راولپنڈی میں جماعت کی تربیت گاہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ مولانا مودودیؒ کی پہلی گرفتاری کے موقع پر ایک ماہ کے لیے قائم مقام امیر جماعت کی ذمہ داری ادا کی۔ اس کے بعد بھی دو بار قائم مقام امیر جماعت کی حیثیت سے تحریک کی خدمت اور قیادت کی۔ ۱۹۴۳ء سے مرکزی شوریٰ کے رکن رہے اور ۱۹۵۷ء تک جماعت سے وابستہ رہے۔ طریق کار کے بارے میں کچھ اختلاف اور انتخابی سیاست سے اصولی بے زاری کے سبب جماعت سے الگ ہوئے لیکن جماعت کے مقصد، یعنی اقامتِ دین کے باب میں کبھی کسی تحفظ کا اظہار نہیں کیا۔ جماعت کے اور خصوصیت سے مولانا مودودیؒ کے علمی کام کے ہمیشہ معترف رہے اور کلمۂ خیر کہتے رہے۔ یہ بھی ایک اہم حقیقت ہے جماعت جمیت کے بعد بھی وہ اپنے انداز

میں اسی مقصد کی خدمت میں آخری وقت تک مصروف رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے اپنے لیے درس و تدریس کا راستہ اختیار کیا۔ فیصل آباد میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ اور مدینہ یونی ورسٹی میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں نو سال رہنمائی کے فرائض انجام دیے۔ تحریک ختم نبوت کے دوران ۱۱ ماہ سنت یوسفی ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور جیل میں بھی درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا اس طرح اہتمام کیا کہ جیل مدرسہ میں تبدیل ہوگیا۔

مولانا عبدالغفار حسنؒ کی زندگی بڑی سادہ اور پاک صاف تھی۔ وہ سلف کا نمونہ تھے اور انھیں دیکھ کر اور ان سے گفتگو کر کے ایمان میں اضافہ ہوتا تھا۔ ان کی حکمت بھری مگر بڑی آسان، ہلکی پھلکی اور دل نشین باتیں دل پر نقش ہوجاتی تھیں۔ توازن اور میانہ روی مولانا کی زندگی کا شعار تھی۔ کتاب ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ دنیا سے ان کو بس اتنی دل چسپی تھی جتنی روح اور بدن کے رشتے کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ دنیا کو خدا کے دین کے مطابق بدلنے کے لیے جس جدوجہد اور کوشش کی ضرورت ہے، وہ ان کی زندگی کا مشن تھا۔ میرا پہلا اور اصل رشتہ تو ان سے شاگردی اور تحریکی رفاقت کا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں یہ خوشی بھی لکھی ہوئی تھی کہ ان کے پوتے ڈاکٹر اسامہ حسن کا عقد میری بیٹی سلمٰی سے ہوا اور اس طرح ہمارے خاندانوں میں بھی ارتباط کی ایک اور خوش گوار صورت پیدا ہوگئی۔

یہ مولانا عبدالغفار حسنؒ کی خوش نصیبی ہے کہ ان کے خاندان میں کم از کم پانچ پشتوں تک علم کی شمع بلافصل روشن رہی ہے۔ ان کے دادا مولانا عبدالجبار عمرپوری بڑے جید عالمِ دین اور استاذِعصر تھے۔ ان کے والد مولانا حافظ عبدالستار عمرپوری کم عمری کے باوجود علمی دنیا میں نام پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مولانا عبدالغفار حسنؒ خود اپنے عصر کے اہلِ علم و تقویٰ میں اُونچا مقام رکھتے ہیں اور ان کے صاحبزادے خصوصیت سے ڈاکٹر صہیب حسن، ڈاکٹر سہیل حسن اپنے اپنے میدان میں علم کی شمعیں روشن کیے ہوئے ہیں۔ ان کا پوتا ڈاکٹر اسامہ حسن انگلستان کی ایک یونی ورسٹی میں انفارمیشن ٹکنالوجی کا استاد ہے۔ وہ بھی، الحمدللہ علم دین کے حصول اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم ہے۔ یہ اللہ کا بڑا فضل اور انعام ہے جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، ذٰلك فضل اللّٰہ یؤتی من یشاء۔

مسعودہ آپاؒ ـــــ یادیں اور باتیں

حمیرا طارق °

فون کی گھنٹی بجی‘ فون اٹھایا تو نبیلہ کی رندھی ہوئی آواز سنائی دی: باجی مسعودہ افضل فوت ہوگئیں۔ مجھے یقین نہ آیا۔ مسعودہ آپا کے گھر نمبر ملایا تو اُن کی بہو نے اس بات کی تصدیق کردی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ یوں لگا جیسے میں گھنی چھاؤں سے تپتے صحرا میں پہنچ گئی ہوں۔ گھریلو مسائل ہوں یا تحریکی مصروفیات‘ حقیقت میں وہ ہم دونوں بہنوں کے لیے گھنی چھاؤں تھیں۔ کبھی سوچا ہی نہ تھا وہ اتنی جلدی آرام کی نیند سو جائیں گی۔ بھاگتی دوڑتی مسعودہ آپا ہر وقت فاستبقوا الخیرات کی عملی تصویر بنی نظر آتیں۔ کبھی آرام سے بیٹھے‘ سوتے اور ستاتے ہوئے نہ دیکھا۔ اس وقت ملاقات کے لیے جانا ہے‘ اب درس دینا ہے‘ اب قرآن کلاس ہے‘ شام کو اجتماع ہے‘ اور ساتھ ساتھ گھر والوں کی دل جوئی‘ بچوں کی تربیت اور بہوؤں کو جماعت اسلامی کے ساتھ منسلک کرنے کی فکر دامن گیر رہتی۔ اسی طرح بھاگتے دوڑتے بہت ساری بہنوں اور بیٹیوں کو روتا ہوا چھوڑ کر اللہ کے گھر اپنی ابدی قیام گاہ چلی گئیں۔

مسعودہ آپا کا تعلق تحریکی گھرانے سے تھا۔ جماعت اسلامی حلقہ خواتین کی ابتدائی ارکان محمدی بیگم اور آپا جی اُم زبیر رشتے میں ان کی خالہ لگتی تھیں۔ تاہم جماعت اسلامی کا لٹریچر اُنھوں نے اپنے بیٹوں کے ذریعے پڑھا۔ ابتدائی طور پر اسلامی جمعیت طلبہ سے متاثر ہو کر دعوت دین کا

° ناظمہ حلقہ خواتین‘ پنجاب

کام شروع کیا۔ بعد میں جماعت اسلامی کے ساتھ باقاعدہ منسلک ہوگئیں اور وقت گزرنے کے ساتھ جماعت کے ساتھ اُن کی محبت اور رشتہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ حلقہ خواتین لاہور کی نائب ناظمہ بھی رہیں۔ انھوں نے باقاعدہ طالبہ کی حیثیت سے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ جب بی اے میں پہنچیں تو امتحانات سے قبل ہی شادی ہوگئی اور پھر گھریلو مصروفیات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کرسکیں۔

اللہ نے اُنھیں بیٹی نہیں دی تھی مگر وہ سیکڑوں بیٹیوں کی ماں تھیں۔ لاہور میں پورے ٹاؤن شپ کے علاقے میں مسعودہ باجی سے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے والی لڑکیاں اُنھیں بیٹیوں سے زیادہ عزیز تھیں۔ جو طالبہ ایک مرتبہ اُن کے درس میں آنا شروع کردیتی' اُس سے ہمیشہ تعلق رکھتیں۔ خوشی غمی میں شرکت اور ضروریات کا خیال رکھنا' اخلاقی' فکری اور مالی امداد یہاں تک اُس طالبہ کے تمام گھر والے بھی مداح ہوجاتے کہ تمھاری استاد تم سے کتنا پیار کرتی ہے۔ بہت ساری خواتین کو جماعت اسلامی کے پروگرام میں شرکت کی اجازت صرف مسعودہ باجی کے اخلاق کی وجہ سے مل جاتی تھی کہ تمھاری درس والی باجی نے بلایا ہے تو ہم انکار نہیں کرسکتے۔

انتخابات کے دنوں میں انتخابی مہم چلاتے ہوئے جو لوگ بہت اعتراضات کرتے اور ووٹ دینے سے انکار کردیتے' جب اُن سے مسعودہ باجی ملنے چلی جاتیں تو گھر والے فوراً کہہ دیتے کہ اب آپ آگئی ہیں تو ہم انکار نہیں کرسکتے۔ ٹاؤن شپ کے حلقے میں جماعت کے ووٹ بنک میں ان کا کلیدی کردار تھا۔

اُن کی زندگی بھی قابلِ رشک تھی اور موت بھی۔ جمعہ کا مبارک دن' ہفتوں کی شدید گرمی کے بعد اللہ نے بارش برسائی اور موسم ٹھنڈا ہوگیا اور اُن کی وفات کے بعد مسلسل تین دن بارش ہوئی اور موسم خوش گوار رہا۔ اللہ نے روح سعید کی تمام علامتیں پوری کردیں تاکہ قریب کے افراد سمجھ لیں کہ اللہ کو کس طرح کے بندے پسند ہیں۔ ہر وقت ایک ہی فکر ہوتی کہ دین کی دعوت آگے پہنچ جائے۔ جس تک دعوت پہنچا دی ہے اُسے جماعت اسلامی میں شامل کرلوں۔ اِسی مقصد کے لیے دوستی' اسی کے لیے رشتہ داری' اسی کے لیے محبت' اسی کے لیے خوشی اور غمی میں شرکت۔ دل جوئی' تحفے تحائف' ضرورت مند کی مدد' غرض ہر ذریعہ اختیار کرتیں۔ چپکے سے مدد کردیتی تھیں لیکن ساتھ

یہ بھی کہہ دینا کہ یہ جماعت اسلامی کی طرف سے ہے۔ کسی ضرورت مند کو ایک سوٹ بھی دیا تو یہ کہہ کر دیا کہ یہ جماعت اسلامی کی طرف سے ہے۔ کسی کو ڈھیر سامان بھی دیا تو یہی کہا۔

ہمیشہ ہر کام نظم سے پوچھ کر کیا۔ ڈسٹرکٹ کونسل کی ممبر منتخب ہوئیں تو کچھ حلقوں اور افراد کی طرف سے مطالبات آئے مگر انھوں نے یہی جواب دیا کہ جو میر النظم کہے گا۔ زندگی کی آخری رات بھی اُن کا فون آیا کہ ناظمہ ضلع کا فون نہیں مل رہا تم بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں نے تو متعلقہ فرد سے کہہ دیا ہے کہ جیسا میر النظم کہے گا' میں خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گی۔

مسعودہ باجی سے ہمارا تعلّق کوئی دو چار روز کا نہیں تھا۔ ۱۸ برس پہلے کی بات ہے جب ہم لوگ ٹاؤن شپ منتقل ہوئے۔ اُس وقت پورے ٹاؤن شپ میں ایک رکن جماعت صفیہ آپا تھیں اور ہمارے گھر کے قریب مسعودہ باجی درسِ قرآن دیا کرتی تھیں۔ ایک دن جماعت اسلامی کا جھنڈا دیکھ کر ہمارے گھر آ گئیں اور درس کی دعوت دی۔ اُس وقت تک ہم لوگ بھی کسی درس یا کلاس کے حلقے سے واقف نہ تھے۔ ابو جماعت کے کارکن تھے۔ اس لیے نام کی حد تک واقفیت تھی۔ جب ہم نے مسعودہ باجی کے درس میں جانا شروع کیا تو ایک دن وہ جمعیت طالبات کی ناظمۂ حلقہ کو ڈھونڈ لائیں اور ہم دونوں بہنوں کو جمعیت میں شامل کروا دیا۔ ہماری جمعیت میں شمولیت کے بعد بھی اُن کا یہ مطالبہ برقرار رہا کہ درس میں ضرور آنا ہے۔ اُن کی محبت اور چاہت کی وجہ سے جمعیت کی مصروفیات کے باوجود جب تک وہ حلقہ قائم رہا ہم دونوں بہنیں باقاعدگی سے شریک ہوتی رہیں۔ اسی دوران حمیرا احتشام کراچی سے ٹاؤن شپ شفٹ ہوئیں تو ان تینوں نے مل کر ٹاؤن شپ کو جماعت اسلامی کا گڑھ بنا دیا۔ اس وقت ٹاؤن شپ کے حلقے میں ۱۸ خواتین ارکان اور ۳۰۰ کے قریب کارکنان ہیں۔

جمعیت میں چلے جانے کے باوجود ہمارا مسعودہ باجی کے ساتھ اُسی طرح تعلّق قائم رہا۔ دن میں بعض اوقات دو تین بار ملاقات ہو جاتی۔ ملاقاتیں کرنے اکٹھے نکلتے' درس دینے اکٹھے جاتے' خوشی غمی میں شرکت کرنے جاتیں تو ہم میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جاتیں اور واپسی پر چھوڑنے آتیں تو دو چار منٹ ضرور بیٹھ کر جاتیں۔ شام کو پانچ بجے درس ہوتا تو تین بجے ہماری طرف آ جاتیں۔ کہتیں تم لوگ تو سوتے نہیں ہو' بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ اُن کی گفتگو کبھی دنیاداری کی نہیں

ہوتی تھی۔ جو کتاب پڑھی ہوتی اُس کے ڈائری پر لیے ہوئے نوٹس پڑھ کر سناتیں۔ اِسی طرح تفسیر کے نوٹس اور اکثر اوقات ڈائری پر پورے پورے واقعات لکھے ہوئے پڑھ کر سناتیں' تبادلۂ خیال کرتیں۔ اگر کوئی دنیاوی گفتگو یا کسی کی برائی کرنے کی کوشش کرتا تو اُسے منع کر دیتیں۔ میں نے ۱۸سال کے عرصے میں کبھی انھیں کسی کی برائی کرتے نہیں سنا۔

ملاقاتوں کے لیے اکثر پیدل جاتیں اور بعض اوقات زیادہ چلنے سے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے۔ جب ہم لوگ منع کرتے تو کہتیں یہ چھالے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ دوپہر میں جب تپتی دھوپ میں گھر سے نکلتیں تو ہمیشہ یہ کہتیں کہ اس کے بدلے اللہ جہنم کی آگ سے بچالے۔ اُنھیں ہر لمحے موت کی تیاری' جنت کی طلب اور جہنم کا خوف دامن گیر رہتا۔

اگر کبھی اُن کے دوپٹے' پرس' ڈائری وغیرہ کی تعریف کر دیتے تو فوراً اصرار کے ساتھ دے دیتیں کہ تمھیں پہنا ہوا تو یہ مجھ سے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اگر کبھی کسی ضرورت کا تذکرہ کر دیتے تو اُسے پورا کرنے کی دُھن سوار ہو جاتی۔ وفات سے دو دن پہلے میں نے کہا مسعودہ باجی دفتر کے لیے فی ظلال القرآن اور معارف القرآن لے دیں۔ کہنے لگیں رمضان میں مل جائے گا' ان شاء اللہ! زندگی کی آخری رات ان کا فون آیا: حمیرا' تم نے پتا نہیں کس خلوص سے مانگا تھا۔ فی ظلال القرآن کا سیٹ آ گیا ہے' کل تمھارے دفتر پہنچا دوں گی اور کچھ دنوں میں معارف القرآن کا بھی آ جائے گا۔

کسی پریشانی کا پتا چل جاتا تو بہت دعائیں کرتیں۔ تقریباً سال پہلے کی بات ہے میرے پاس گھریلو کام کے لیے معاون نہ تھی جب پتا چلا تو بہت دعائیں کرتیں' کوشش کرتیں پھر فون کر کے پوچھتیں حمیرا' کام والی مل گئی ہے؟ میں تو تمھارے لیے صلوٰۃ حاجت پڑھ کر دعا کرتی ہوں کہ اللہ کرے تمھیں معاون مل جائے تاکہ تم دعوت دین کا کام سہولت سے کر سکو۔

جب بھی مجھے امی کی طرف جانا ہوتا تو ضرور ہی ملنے آتیں (حالانکہ مرکز میں بھی عموماً ملاقات ہو جاتی تھی)۔ اُنھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم ملنے آ جاؤ' ہمیشہ خود ہی بھاگی ہوئی آتیں۔ اگر میں کہتی بھی کہ مسعودہ باجی' میں آ جاتی ہوں تو کہتیں مجھے زیادہ اجر مل گیا اور تمھارا وقت بچ گیا۔ میں تو سوچتی ہوں تمھاری بڑی مصروفیت ہے' اس لیے تمھیں مشکل نہ ہو' تمھارا وقت قیمتی ہے۔ جب بھی ملتیں تو بہت سارے کام اور منصوبے سامنے ہوتے' مسائل ہوتے جن پر گفتگو ہوتی۔

ہر چھوٹی بڑی بات پر جب مشورہ مانگتیں تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی۔ میں کہتی: مسعودہ باجی آپ تو میری استاد ہیں۔ آپ سے ہم نے قرآن سنا' آپ نے مجھے درس دینا' ملاقات کرنا سکھایا اور جمعیت اور جماعت کی دعوت دی۔ آپ اس طرح سے چھوٹی چھوٹی باتیں نہ پوچھا کریں۔ اس پر کہتیں کہ مجھے بات کر کے تسلی ہو جاتی ہے۔ بغیر مشورے کے کام کرنا مشکل لگتا ہے۔ یہ روش آخری دم تک رہی۔

وہ میری استاد بھی تھیں اور محسن بھی' ماں بھی تھیں اور دوست بھی۔ یقیناً وہ نعمت بھری جنت میں چلی گئیں اور اپنے رب سے انعامات پا رہی ہوں گی۔ لیکن ہمارے لیے وہ ایک خلا چھوڑ گئیں جو کوئی اور پُر نہیں کرسکتا۔ اُن کے بہت سے محاسن ہیں جن کو لکھنا میرے جیسے کم علم کے لیے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی سعی و جہد کو قبول فرمائے۔ اُن کی حقیقی اور روحانی اولاد کو اُن کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

سیکولر بھارت اور بھارت کے مسلمان

ایک استدراک

الیاس نعمانی ؂

''سیکولر بھارت اور بھارت کے مسلمان'' (اپریل ۲۰۰۷ء) از ڈاکٹر محمد جہانگیر تمیمی نظر نواز ہوا۔ ایک بھارتی مسلمان کی حیثیت سے یہ عاجز محترم ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہے کہ ان کو سرحد پار کے مسلمانوں کی فکر اور ان کا خیال ہے۔ آخر بقولِ اقبال ؎

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

بھارتی مسلمانوں کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کی دل سوزی، خلوص اور ملی دردمندی صاف عیاں ہے۔ لیکن انھوں نے جن باتوں پر اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے ان کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ درحقیقت دور رہتے ہوئے صرف میڈیا کی مدد سے اگر کوئی رائے قائم کی جائے تو حالات کی سنگینی کا حقیقت سے کہیں زیادہ ادراک ہو جانا کوئی بعید نہیں، بالخصوص اس وقت جب دل میں ہمدردی کے جذبات ہوں تو ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے۔ یہاں بھارت میں بھی جو لوگ صرف اخبارات پڑھ کر پاکستان کے بارے میں اظہار خیال کیا کرتے ہیں' ان کی باتوں میں بھی شدتِ احساس کا وہی حال دیکھنے کو ملتا ہے جو اس مضمون میں نظر آ رہا ہے۔

مضمون کے آغاز میں پنجاب اور اترا کھنڈ میں بی جے پی کی کامیابی کو بڑی اہمیت دی گئی

؂ مقالہ نگار' ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ

ہے۔ حالانکہ درحقیقت سکھ اکثریت کے پنجاب میں بی جے پی کی نہیں، سکھوں کی سیاسی جماعت اکالی دل کی حکومت بنی ہے۔ بی جے پی تو اس کی بس ایک اتحادی ہے۔ اسی لیے وہاں کے وزیراعلیٰ بھی اکالی دل کے سردار پرکاش سنگھ بادل ہیں۔ رہا اتراکھنڈ، تو چونکہ وہ بڑی ذات کے ہندوؤں کی واحد ریاست ہے، اس لیے وہاں بی جے پی کی حکومت بن جانا کوئی زیادہ حیران کن نہیں۔ اس کے قیام کے پہلے دن سے سیاسی ماہرین کا کہنا ہے کہ وہاں کانگریس اور بی جے پی باری باری اپنی حکومتیں بنائیں گی۔ جب یہ صوبہ بنا تھا تو بی جے پی کی حکومت بنی تھی، پھر الیکشن ہوئے تو کانگریس آئی اور اس مرتبہ پھر بی جے پی برسراقتدار ہوئی ہے۔ مستقبل میں بھی اس ریاست سے اسی طرح کی امید ہے۔

جن باتوں پر فاضل مضمون نگار نے بڑی تشویش کا اظہار کیا ہے، ان میں بی جے پی کے صدر راج ناتھ سنگھ کا پارٹی کی قومی کونسل میں دیا گیا ایک بیان بھی ہے، جس میں انھوں نے بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کے لیے ایک قانون بنائے جانے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ لیکن یہ قانون کہاں بنے گا؟ پارٹی کی قومی کونسل یا کوئی پریس کانفرنس تو قانون ساز نہیں ہوا کرتی، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اکیلے اپنے دم پر پارلیمنٹ میں صرف اکثریت ہی نہیں، دوتہائی اکثریت لے کر آئیں۔ ایسا مستقبل قریب تو کیا غالباً مستقبل بعید میں بھی کبھی نہ ہوسکے کیونکہ اب بی جے پی کے لیے مستقبل میں کبھی سیاسی ماحول اتنا ہموار نہ ہوگا جتنا بابری مسجد کی شہادت کے بعد تھا۔ لیکن اس وقت بھی بی جے پی برسراقتدار نہ آسکی، بعد میں کرسی ملی بھی تو اس کے لیے تقریباً ۲۰ دیگر چھوٹی بڑی پارٹیوں کا سہارا لینا پڑا۔ اس 'جمبوجٹ' محاذ کو بھی دوتہائی اکثریت حاصل نہیں تھی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سوائے بی جے پی اور شیوسینا کے کوئی پارٹی اس طرح کے قانون کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ راج ناتھ کا یہ بیان اپنی نوعیت کا نیا بیان نہیں ہے، ایسے بیانات الیکشن کے زمانے میں ہرصبح وشام سننے کو ملتے ہیں۔

حیرت ہوئی کہ فاضل مضمون نگار نے وشوا ہندو پریشد (ورلڈ ہندو کونسل) اور اس کے سیکرٹری پروین توگڑیا کو بھی قابلِ اعتنا جانا۔ یقیناً یہ لوگ ماضی میں ہندو معاشرے کے اندر اپنا ایک مقام رکھتے تھے لیکن اب تو ع ''پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں'' کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ثبوت کے لیے صرف ایک واقعے کا ذکر کافی ہے۔

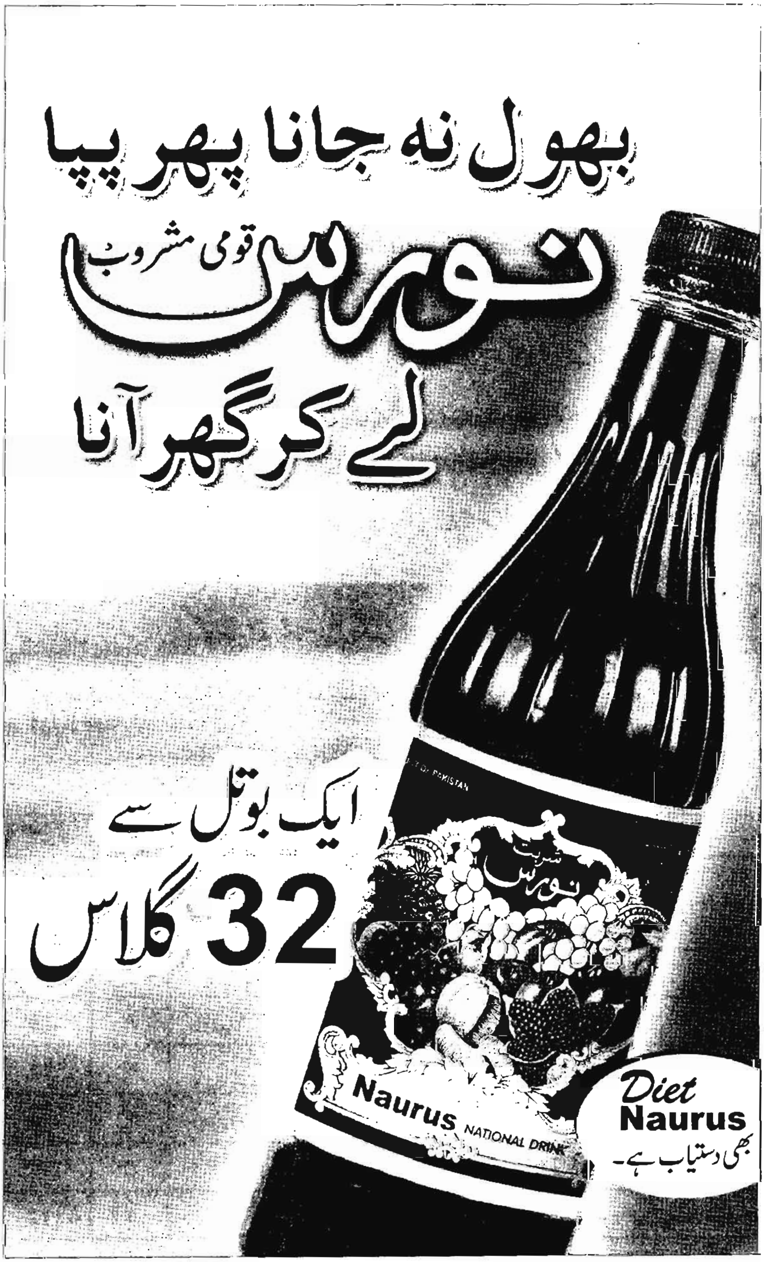
چند ماہ قبل الٰہ آباد میں ہندوؤں کے سب سے بڑے مذہبی میلے (کمبھ) میں ۲ کروڑ عقیدت مندوں نے شرکت کی۔ اس پریشد نے بھی اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہا، اور اپنا ایک اجلاسِ عام وہاں رکھا۔ بے چارے توگڑیا جی اپنی کار کے بونٹ پر کھڑے ہوکر لوگوں کو بلاتے رہے، تب بھی کوئی قابلِ لحاظ تعداد جمع نہ کرسکے۔

ان شاءاللہ بھارتی مسلمانوں کا مستقبل ان کے ماضی سے بہتر ہوگا۔ ہندو شدت پسندی، جو رام مندر تحریک کے زمانے سے اپنے عروج پر تھی، غالباً گجرات کے فسادات کے بعد اس کے غبارے سے ہوا نکلنی شروع ہوچکی ہے۔ ان فسادات کے چند مہینوں کے بعد ہی پچھلے پارلیمانی الیکشن ہوئے تھے جس میں اندرونی اور بیرونی ہر طرح سے مدد کے باوجود ناقابلِ تسخیر سمجھے جانے والے واجپائی جی اور بی جے پی کو شرم ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ درحقیقت بھارت کا مضبوط جمہوری نظام مسلمانوں کے لیے ایک نعمت ہے۔ اسی نے مسلمانوں کو یہ طاقت بخشی ہے کہ ان کی مرضی کے خلاف مرکز میں کوئی مضبوط حکومت نہیں بن سکتی۔ جو کچھ لکھا گیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بھارتی مسلمانوں کے سامنے کچھ مسائل نہیں ہیں۔ مسائل ہیں، یقیناً ہیں، ان میں سے کچھ سنگین بھی ہیں، لیکن ان شاءاللہ مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔

تصحیحات اشاعتِ خاص

صفحہ	سطر	غلط	درست
۲۸	۸	یوسف مغاریف	یوسف مقریف
۹۸	۲۴	دسمبر ۱۹۴۹ء	دسمبر ۱۹۴۶ء
۱۱۹	۱۰	مسلم افواج	مسلح افواج
۱۲۹	۸	غاتینا	غایتنا
۲۱۴	۲۱	میں جس شخص کا ذکر ہے	یہ آیت کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی
۲۱۵	۱۴	ابوبکر انصاری	ابوبکر الانباری
۲۲۲	۲۱	القصص الفنی فی القرآن	الفن القصصی فی القرآن
۲۲۵	۱	علی طنطاوی	طنطاوی جوہری

'غض بصر نہ کرنے کے نقصان' (ص ۳۸۳) میں حدیث کو اس طرح پڑھیں: لَعَنَ اللّٰہ......


بھول نہ جانا پھر پپا
قومی مشروب
نورس
لے کر گھر آنا
ایک بوتل سے
32 گلاس
شربت
نورس
Naurus NATIONAL DRINK
Diet
Naurus
بھی دستیاب ہے۔

اخبارِ اُمت

فلسطین میں جمہوریت کا قتل

عبدالغفار عزیز°

ابھی کعبے کے سایے میں طے پانے والے 'معاہدۂ مکہ' کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ اس کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ ۱۹۴۸ء میں آدھے سے زائد فلسطین کو اسرائیل قرار دے دیے جانے اور ۱۹۶۷ء میں پورے فلسطین، وادیِ سینا اور جولان کی پہاڑیوں پر قابض ہوتے ہوئے عرب افواج کو شکست فاش دینے کے علاوہ بھی فلسطینی قوم کو بہت بڑے بڑے صدمے، سانحے اور قیامتیں دیکھنا پڑی ہیں لیکن حالیہ سانحہ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۷ء کے بعد سب سے تکلیف دہ گھاؤ ہے۔ دشمن کے وار سہنا اور اس کی طرف سے ظلم، زیادتی اور سازشوں کی توقع رکھنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ درندے درندگی نہ دکھائیں تو اور کیا کریں، لیکن 'اپنے' بھی ان کی صف میں جا کھڑے ہوں تو صدمہ و اذیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

۲۵ جنوری ۲۰۰۶ء کو بھاری اکثریت سے جیتنے کے باوجود حماس نے حیرت انگیز اصرار کیا کہ تنہا ہم حکومت نہیں بنائیں گے۔ انتخاب میں ہمارے مقابل شکست کھانے والی الفتح بھی آئے، ہم سب کے ساتھ مل کر قومی حکومت تشکیل دینا چاہتے ہیں۔ الفتح سے پہلے امریکا اور اسرائیل کی طرف سے جواب آیا: خبردار کسی صورت حماس سے اشتراک نہ کیا جائے، ہم ایسی کسی حکومت کو

° ڈائرکٹر، امور خارجہ، جماعت اسلامی پاکستان

تسلیم نہیں کریں گے۔ انتخاب کے بعد حکومت سازی کے لیے دی گئی مدت ختم ہونے لگی تو حماس نے مجبوراً تنہا حکومت بنانے کا اعلان کر دیا۔ الفتح کے سابق وزرا نے نئی تشکیل شدہ حکومت سے 'بھرپور تعاون' کیا، اور وہ یوں کہ دفاتر چھوڑتے ہوئے وہاں سے سارا فرنیچر، اسٹیشنری کا سامان، گاڑیاں حتیٰ کہ چائے کے برتن تک اپنے ساتھ لے گئے۔ ساتھ ہی امریکا، یورپ اور اسرائیل نے ہر طرح کی مالی امداد بند کر دی۔ اسرائیل اپنے مقبوضہ علاقوں میں فلسطینی سامان رسد پر ماہانہ ۵۵ ملین ڈالر کے ٹیکس جمع کرتا ہے جو اس کے پاس فلسطینی اتھارٹی کی امانت قرار دی گئی ہے، اس نے وہ بھی ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ حکومت کے پاس کسی چپڑاسی تک کو تنخواہ دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس سارے کھیل کا اصل ہدف یہ تھا کہ فلسطینی عوام، حماس کو اپنے سارے دکھوں کا سبب قرار دیتے ہوئے بھوکے مریں گے تو ازخود بغاوت کر دیں گے، حماس کی ناکامی درودیوار پر ثبت ہوجائے گی، لیکن صہیونی لومڑی دن رات ناچتے رہنے کے باوجود 'کھٹے انگوروں' تک نہ پہنچ سکی۔ فلسطینی عوام نے پہلے سے بھی بڑھ کر حماس پر اعتماد کیا۔ حماس کے وزیراعظم سمیت تمام ذمہ داروں نے بھی اپنا چولھا بجھا کر اپنے عوام کی خدمت کا بیڑا اُٹھا لیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب بلدیہ کے جمعداروں کو بھی تنخواہ دینا ممکن نہ رہا تھا تب وزیراعظم خود ان کے ساتھ مل کر غزہ کی سڑکوں پر صفائی کرنے کے لیے اُتر آیا۔

عین انھی لمحات میں امریکا نے صدر محمود عباس (ابو مازن) کی ذاتی حفاظت کے لیے آٹھ کروڑ ۶۰ لاکھ (۸۶ ملین) ڈالر کی امداد فراہم کی۔ صدر کے مشیر خاص اور خود الفتح کی صفوں میں بھی بدنام اور متنازع ترین شخصیت محمد دحلان کو اسلحے اور سرمایے کے ڈھیر فراہم کرنا شروع کر دیے گئے تاکہ فلسطینی حکومت کی تابع سیکورٹی فورسز کے مقابل صدارتی فوج تیار کی جائے۔ تقریباً ۳۳ ہزار افراد پر مشتمل متوازی سیکورٹی کھڑی کر دی گئی، حماس کے ذمہ داران کے علاوہ ان کی حمایت کرنے والے عوام کے خلاف بھی کارروائیاں شروع کر دی گئیں اور بالآخر فلسطینی صہیونی کے بجاے الفتح حماس جھڑپیں ہونے لگیں۔ اس موقع پر مختلف اطراف واکناف سے مصالحت کی کوششیں ہوئیں اور گذشتہ مارچ میں طرفین نے سعودی فرماں روا شاہ عبداللہ کی دعوت پر مکہ آکر مذاکرات کیے، جن کے نتیجے میں ایک سال سے زائد عرصے کے بعد حماس کی یہ خواہش پوری ہوئی کہ فلسطین میں

متفق علیہ قومی حکومت تشکیل دی جائے۔ حماس نے اس ضمن میں کئی کڑوے گھونٹ پیے، واضح اکثریت رکھنے کے باوجود خزانہ، خارجہ اور داخلہ سمیت کئی اہم وزارتوں سے دست برداری قبول کرلی اور حکومت میں امریکا کے منظورِنظر کئی نام بھی قبول کرلیے جیسے خزانہ کے لیے سلام فیاض۔

معاہدۂ مکہ اور قومی حکومت کی تشکیل فلسطینی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوسکتا تھا لیکن بدقسمتی سے دحلان گروپ نے اس پر ایک روز کے لیے بھی عمل درآمد نہیں ہونے دیا۔ وزیرداخلہ (جس کا تعلق حماس سے نہیں تھا) نے وزارت سنبھالنے کے چند ہفتے بعد ہی استعفا دے دیا کہ فلسطینی پولیس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، دحلان سیکورٹی فورس ہرطرف غالب ہے اور خود کو ہرحکومت سے بالاتر سمجھتی ہے۔ حماس کے مختلف مراکز، اس کی سرپرستی میں چلنے والے رفاہی اداروں، اسکولوں اور یتیم خانوں پر حملے بولے جانے لگے اور عملاً خانہ جنگی کی شروعات کردی گئیں۔ عین انھی دنوں میں مصری اور اُردنی سرحدوں سے صدر کی حفاظت کے نام پر جدید اسلحے کی بڑی کھیپ محمود عباس اور ان کے مشیر سیکورٹی دحلان کو پہنچائی گئی۔ یہ سیکورٹی فورس مسجدوں اور تعلیمی اداروں میں گھس گھس کر حماس کی قیادت کو نشانہ بنانے لگی۔ صہیونی حکومت نے بھی ۶۰ افراد پر مشتمل مطلوبہ افراد کی ایک ہٹ لسٹ جاری کردی جس میں وزیراعظم اسماعیل ھنیہ اور حماس کے سیاسی امور کے سربراہ خالدالمشعل سمیت تمام سرکردہ قائدین کے نام شامل تھے۔ پھر گلیوں اور بازاروں میں باقاعدہ لڑائیاں ہونے لگیں۔ الفتح کے نام پر دحلان سیکورٹی اور حماس کے افراد باقاعدہ مورچہ بند ہوکر لڑنے لگے۔ حماس نے اس موقع پر بھی حالات کا رخ موڑنے کی ایک اور کوشش کی۔ اس نے مقابل فلسطینی دھڑے کے حملے تو روکے، لیکن خود اپنے حملوں کا رخ اسرائیلی یہودی بستیوں کی طرف موڑ دیا۔ ان پر خودساختہ راکٹوں کے سیکڑوں حملے کیے اور فلسطینی عوام کو یاد دلایا کہ ہمارا اصل دشمن کون ہے؟

یہ ایک سانحہ ہے کہ الفتح کے دحلان دھڑے نے صدر محمود عباس کی سرپرستی میں حماس کے پاؤں تلے سے بساط کھینچنے کی کوششیں عروج پر پہنچا دیں اور وزیراعظم کے دفتر پر بھی ہلہ بول دیا گیا۔ اس موقع پر حماس کے مسلح بازو نے بھی دحلان سیکورٹی سے نجات کا آپریشن شروع کردیا اور حیرت انگیز طور پر ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر ان کے اہم ترین جاسوسی قلعے سمیت ان کے تمام مراکز پر

مکمل کنٹرول حاصل کرلیا۔ حماس کے اس آپریشن کے بارے میں خود الفتح کے دحلان مخالف دھڑے اور دیگر فلسطینی تنظیموں کے ذمہ داران نے بیانات دیے ہیں کہ اگر حماس یہ کارروائی نہ کرتی تو الفتح غزہ پر ایک مہیب خانہ جنگی مسلط کردیتی۔ غزہ میں موجود الفتح کے اعلیٰ عہدے دار احمد حلس نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اس ساری خوں ریزی اور حماس سے الفتح کی شکست کی ذمہ داری محمود عباس اور دحلان کے سر عائد ہوتی ہے۔ انھوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ دحلان پر انقلابی عدالت میں بغاوت کا مقدمہ چلایا جائے اور محمود عباس جیسے کمزور صدر کو جس کے اعصاب پر دحلان سوار تھا، ہٹا کر الفتح کے گرفتار لیڈر مروان البرغوثی کو اپنا سربراہ بنایا جائے۔

حماس کی یہ کارروائی اور الفتح کی سیکورٹی فورسز کا غزہ سے انخلا ۱۴ جون کو ہوا۔ اسی شام محمود عباس کے ساتھیوں کی طرف سے بیان آ گیا کہ یہ کارروائی حماس کی طرف سے کھلی بغاوت ہے، اس کی حکومت فوراً ختم کی جائے اور جلد دوبارہ انتخاب کروائے جائیں۔ کچھ ہی دیر بعد محمود عباس کا فرمان جاری ہوا کہ ھنیہ حکومت ختم کردی گئی ہے، جلد ایمرجنسی حکومت قائم کی جائے گی اور پھر ۱۵ جون کو وزیرخزانہ سلام فیاض سے وزیراعظم کا حلف پڑھوا کر ہنگامی حکومت قائم کردی گئی۔

اس موقع پر ایک انوکھی لیکن پوری طرح سمجھ میں آنے والی پیش رفت یہ ہوئی کہ اس عبوری حکومت کو سب سے پہلی مبارک باد اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ اور امریکی صدر جارج واکر بش کی طرف سے موصول ہوئی۔ فوراً ہی ان اعلانات کا تانتا بندھ گیا کہ محمود عباس اور ہنگامی حکومت کو مالی امداد دی جائے گی، ان پر سے تمام پابندیاں اٹھالی جائیں گی، غزہ پر مزید پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ تیل، بجلی اور غذائی سامان بھی نہیں جانے دیا جائے گا۔ ساتھ ہی اسرائیلی ٹینکوں نے غزہ کے گردونواح میں گھیرا ڈالنا شروع کردیا ہے اور چھے فلسطینی نوجوان شہید کردیے ہیں۔

اب مقبوضہ فلسطین دوہری آگ میں جل رہا ہے۔ ایک طرف صہیونی تسلط اور مظالم اور دوسری طرف خود فلسطینی عوام کی دو علیحدہ علیحدہ حکومتیں۔ غزہ میں اسماعیل ھنیہ نے اعلان کیا ہے کہ ہم کسی سے انتقام نہیں لیں گے، الفتح کے جو کارکنان و ذمہ داران یہاں رہنا چاہیں، رہیں یہ ان کا گھر ہے اور جو مغربی کنارے جانا چاہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لیکن دوسری جانب مغربی کنارے میں حماس سے تعلّق رکھنے والوں کو چن چن کر پکڑا جارہا ہے۔ کئی ماہ سے اسرائیلی جیلوں میں پڑے

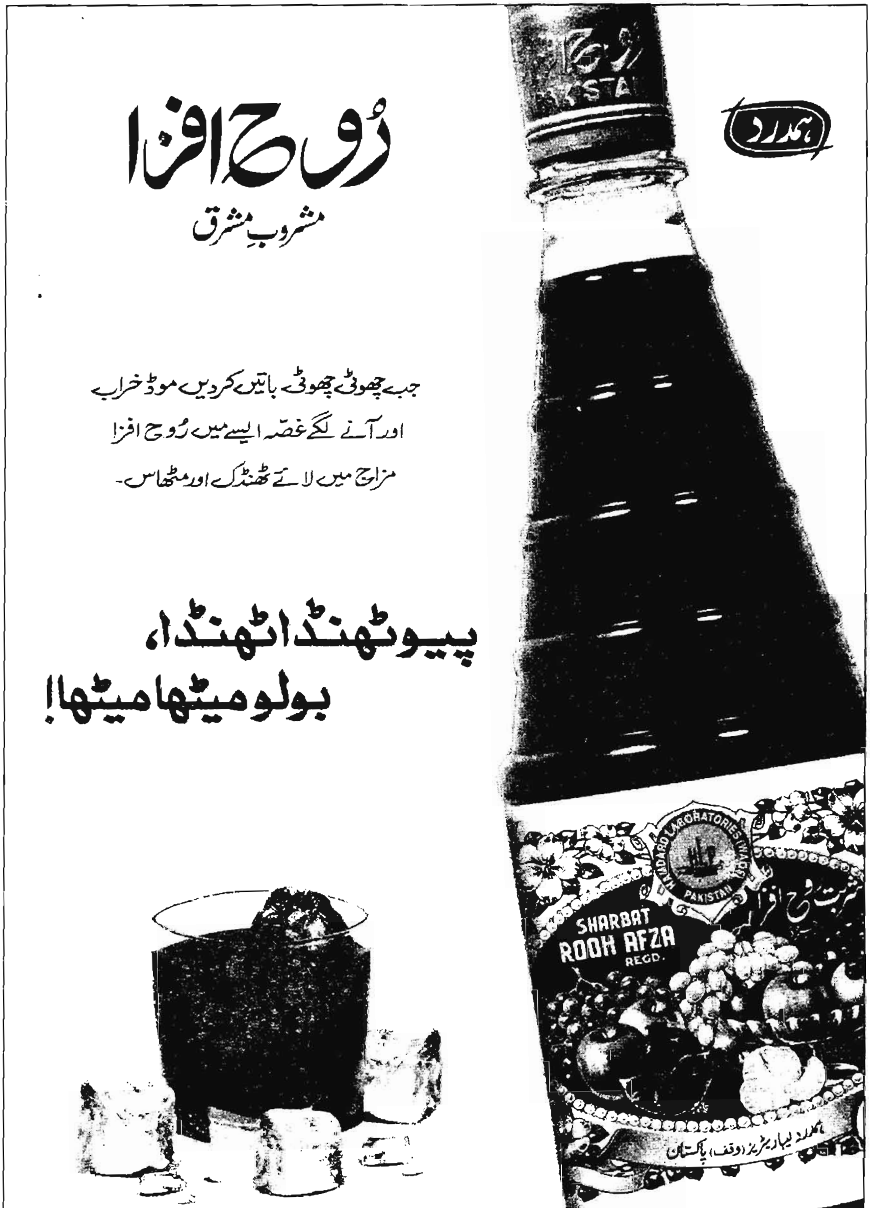
فلسطینی منتخب اسپیکر عبدالعزیز الدویک کا گھر نذرِ آتش کر دیا گیا ہے۔ ایک بحث ھنیہ کی منتخب حکومت کے مقابلے میں بنائی جانے والی ہنگامی حکومت کی دستوری حیثیت کی بھی ہے، کیونکہ فلسطینی دستور کے مطابق اگر صدر کو ہنگامی حکومت بنانا بھی پڑے تو اسے ۳۰ دن کے اندر اندر پارلیمنٹ سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنا ہوتا ہے، اور حماس کی اکثریت کے باعث پارلیمنٹ کو یہ زحمت نہیں دی جارہی۔ پارلیمنٹ کی منظوری سے بھی ایسی حکومت صرف ۳۰ روز کے لیے ہی بنائی جاسکتی ہے۔ اور اگر پارلیمنٹ توثیق کرے تو مزید ۳۰ دن کے لیے اس کی عمر بڑھائی جاسکتی ہے۔ لیکن اس بحث سے قطع نظر، اصل سوال یہ ہے کہ کیا ۲۰ لاکھ آبادی پر مشتمل مغربی کنارے اور پندرہ لاکھ کی آبادی پر مشتمل غزہ کی پٹی کو دو الگ الگ کنٹونمنٹس میں تقسیم و مقید کیا جاسکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ عوام کو عوام سے اس طور لڑا دیا جائے کہ لاکھوں لوگ اپنے لاکھوں بھائیوں کو بھوک اور ہلاکت کی نذر ہونے دیں اور امداد کے وعدوں اور تسلیم کر لیے جانے کی صحرا نوردی کو اپنی گم شدہ جنت قرار دے لیں۔ اس سوال کا جواب غزہ سے واپس آنے والے مصری وفد میں شامل ایک اعلیٰ سیکورٹی افسر نے اپنا نام خفیہ رکھے جانے کے وعدے پر مصری اخبار 'المصری الیوم' کو دیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ لڑائی فلسطینیوں کی فلسطینیوں سے نہیں بلکہ ۷۰ فی صد فلسطینی عوام کی دحلان سے ہے۔ فلسطینی عوام کی بھاری اکثریت دحلان اور اس کے ساتھیوں سے نجات چاہتی ہے۔

دوسری طرف غزہ کے لاکھوں لوگ ایک اور معمے پر حیرت زدہ ہیں اور وہ یہ کہ غزہ کی فضاؤں میں مسلسل ۲۴ گھنٹے بغیر پائلٹ کے جاسوسی صہیونی طیارے محو پرواز رہتے تھے۔ بعض اتنے قریب ہوتے تھے کہ فضا میں ہر وقت ان کی آواز سنائی دیتی رہتی تھی۔ جب سے غزہ سے الفتح کا انخلا ہوا ہے یہ جاسوسی طیارے غائب ہوگئے ہیں۔ ۱۸ جون کو معروف عربی اخبار الحیاۃ میں فکری عابدین نے ایک مضمون میں اسرائیلی جاسوسی ذرائع کے حوالے سے لکھا ہے کہ غزہ سے الفتح کے جاسوسی مراکز سے معلومات کا بے حد قیمتی خزانہ ہاتھ لگا ہے۔ اس میں صرف حساس معلومات ہی نہیں، جدید ترین آلات اور حساس اسلحے کی بڑی مقدار بھی ان کے ہاتھ چلی گئی ہے۔ حماس حکومت کے وزیر خارجہ محمود الزھار نے، جنھیں اصرار کر کے متفق علیہ قومی حکومت سے باہر رکھا گیا، اپنے ایک انٹرویو میں ۱۴ جون کے بعد غزہ کی صورت حال کے بارے میں کہا ہے کہ غزہ کے عوام کو ۱۴ سال بعد

سکھ کا سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ اب انھیں کسی سیکورٹی فورس کی دہشت گردی کا خطرہ اور خوف لاحق نہیں ہے۔

فلسطینی سیکورٹی فورسز کی حد تک تو شاید یہ درست ہو لیکن اب ایک بڑا خطرہ اور خدشہ یہ ہے کہ حماس سے نجات پانے کے لیے اسرائیلی افواج غزہ پر خوفناک چڑھائی کردے۔ بن گوریون یونی ورسٹی کے پروفیسر ڈرور زئیفی نے اس موقع کو اسرائیل کے لیے ایک سنہری موقع قرار دیتے ہوئے ۱۸ جون کو اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ''ہم اگر کسی اعلیٰ پایے کی لیبارٹری میں بھی کوئی ایسا فارمولا تیار کرنے کی کوشش کرتے تو ناکام رہتے۔ اب حالات نے خود یہ فارمولا فراہم کردیا ہے کہ ہمارے سامنے دو فلسطینی دھڑے واضح تقسیم میں بٹے ہوئے ہیں جو جغرافیائی لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے دُور ہیں۔ ہمیں کسی صورت یہ سنہری موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے''۔ ۱۸ جون ہی کو عبرانی روزنامے ھآرٹز نے اپنے اداریے میں لکھا ہے کہ ''محمود عباس کے اس دلیرانہ اقدام سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے اور اسرائیل کو اس سے بھرپور استفادہ کرنا ہے''۔ لیکن اسی روز کے روزنامہ معاریف میں اسرائیلی فوجی انٹیلی جنس کے سابق سربراہ شلوموگازیٹ کی راے اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے بقول: ''الفتح اور ابومازن اب تاریخ کے کوڑے دان کا حصہ بن چکے ہیں اور ہمیں کسی ایسی فلسطینی قیادت یا تحریک پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے جسے مستقبل بہت پیچھے چھوڑ آیا ہے''۔ اس کا مزید کہنا ہے کہ: ''اسرائیل نے پہلے بھی تباہ کن غلطی کی تھی کہ فلسطینی عوام کو فوجی اور اقتصادی دباؤ کی نذر کیا۔ اب اگر ہم نے دوبارہ یہ غلطی دہرائی تو اس کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا کہ فلسطینی عوام حماس کی جانب مزید یکسوئی سے لپکیں گے۔ ہمیں خود کو اس وہم کا شکار نہیں کرنا چاہیے کہ ہم گھڑی کی سوئیاں ۴۰ سال پیچھے گھما سکتے ہیں''۔

ان دونوں متضاد آرا پر مشتمل دسیوں تحریریں عبرانی صحافت اور ذرائع ابلاغ میں بکھری ہوئی ہیں لیکن ایک بات پر تقریباً سب اسرائیلی تجزیہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ اسرائیل کو اب اپنے پڑوسی عرب ممالک کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے، خاص طور پر اُردن اور مصر کی۔ اس بحران کے فوراً بعد عرب لیگ کے وزراے خارجہ کا ہنگامی اجلاس بلایا گیا جس کے اختتام پر فریقین سے تحمل اختیار کرنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا گیا کہ عرب لیگ دونوں میں سے کسی کی طرف داری نہیں


ہمدرد
رُوح افزا
مشروبِ مشرق
جب چھوٹی چھوٹی باتیں کر دیں موڈ خراب
اور آنے لگے غصہ ایسے میں رُوح افزا
مزاج میں لائے ٹھنڈک اور مٹھاس۔
پیو ٹھنڈا ٹھنڈا،
بولو میٹھا میٹھا!
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
شربت روح افزا
ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
www.hamdard.com.pk
Blitz DDB

کرے گی ساتھ ہی مصر' اُردن' سعودی عرب' تیونس اور عرب لیگ سیکرٹریٹ پر مشتمل ایک پانچ رکنی کمیٹی بنائی گئی ہے کہ وہ ایک ماہ کے اندر اندر اپنی تحقیقاتی رپورٹ پیش کرے۔ حماس نے اس وفد کا خیر مقدم کیا ہے لیکن غیر جانب داری کا اعلان کرنے کے باوجود مصر نے سب سے پہلے غزہ میں قائم اپنا سفارت خانہ مغربی کنارے منتقل کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

ان تمام بیانات اور اقدامات کا تجزیہ اپنی جگہ بہت اہم ہے لیکن گذشتہ ۵۹ سالہ صہیونی دہشت گردی' جہاد کو کچلنے کی کوششوں اور فلسطینی قوم میں سے کچھ غداروں کے ان کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے باوجود ہم برسرِ زمین عملی نتیجہ کیا دیکھتے ہیں؟ کیا یہی نہیں کہ فلسطینی جہاد اور اس کی سرخیل تحریک حماس اب پہلے سے کہیں زیادہ توانا' کہیں زیادہ فعال اور کہیں زیادہ مؤثر ہے۔ کیا ربانی ہستی شیخ احمد یاسین کی یہ پیش گوئی تکمیل کی جانب بڑھ رہی ہے کہ ۲۱ویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ہمارا جہادی سفر نصرت الٰہی کی منزل پالے گا۔

رسائل و مسائل

زکوٰۃ سے میڈیکل ٹرسٹ کا قیام

سوال: ہم چند دوست احباب نے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے' جس کا بنیادی مقصد غریب عوام کو علاج معالجے اور طبی سہولیات کی فراہمی ہے۔ اس ٹرسٹ کا ذریعہ آمدن زکوٰۃ اور صدقات ہیں۔ اسی سے ٹرسٹ کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ درج ذیل امور میں ہماری رہنمائی کریں:

۱- کیا ہم اس رقم سے ٹرسٹ کے جائز اور ضروری اخراجات' مثلاً دوائیں' ڈاکٹر اور سٹاف کی تنخواہیں پورا کر سکتے ہیں؟

۲- کیا عوام کے لیے مختلف امراض کے بارے میں معلوماتی پمفلٹ اس رقم سے شائع کر سکتے ہیں؟

۳- فری میڈیکل کیمپ اور امورِ صحت سے متعلق پروگرام کے انعقاد کے لیے اخراجات اس سے پورے کر سکتے ہیں؟

۴- کیا اس زکوٰۃ کی رقم کو ٹرسٹ کے مفاد میں اس کی آمدن بڑھانے کے لیے وقتی طور پر زمین کے کاروبار میں لگا سکتے ہیں؟

۵- کیا اس رقم کو ٹرسٹ کا ہسپتال یا ڈسپنسری بنانے کے لیے زمین اور اس کی عمارت کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: زکوٰۃ کے مصارف قرآن پاک میں مقرر کر دیے گئے ہیں' اس لیے ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی' اور نہ کسی کو اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے۔ زکوٰۃ سے جو ٹرسٹ قائم کیا جائے اس کا

پروگرام ایسا ہو کہ صرف فقرا و مساکین پر اسے صَرف کیا جائے۔ زکوٰۃ کی رقم کو تعمیرات پر نہیں لگایا جاسکتا' نہ ہسپتال کے لیے دیگر سامان اس سے خریدا جاسکتا ہے۔

اگر آپ کوئی ایسا ٹرسٹ قائم کرتے ہیں جس میں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جائے' تو صرف ایسی صورت میں قائم کیا جاسکتا ہے' جب کہ آپ ٹرسٹ کی ایک مد میں زکوٰۃ جمع کریں اور دوسری مد میں عطیات' عمارت' ہسپتال کا سازوسامان' ڈاکٹروں کی تنخواہیں عطیات سے پورا کریں' اور فقرا و مساکین کے لیے دوائیں اور علاج کے اخراجات' ایکسرے اور آپریشنز وغیرہ کی فیس زکوٰۃ کی مد سے ادا کریں تاکہ زکوٰۃ کی رقم صرف مستحقین پر صَرف ہو۔ عمارت' ہسپتال کا سازوسامان اگر آپ زکوٰۃ سے خریدیں گے تو یہ اس لیے صحیح نہ ہوگا کہ اس سازوسامان سے غریب کے ساتھ امیر بھی استفادہ کرے گا۔ زکوٰۃ کی رقم سے خرید کردہ سازوسامان کا استعمال امیر کے لیے درست نہیں ہے' الا یہ کہ اس سازوسامان کے استعمال کا عوض امیر سے لے کر زکوٰۃ فنڈ میں جمع کیا جائے اور اس کو فقرا و مساکین پر صَرف کیا جائے۔ البتہ ڈاکٹر کی فیس اور جو خرچ غریب کے علاج کی مد میں آئے' اسے زکوٰۃ کی رقم سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

آپ اپنے ٹرسٹ کو مذکورہ اصولوں کے مطابق قائم کریں۔ موجودہ صورت حال میں آپ کا ٹرسٹ اس معیار پر پورا نہیں اُترتا جو زکوٰۃ کی رقم جمع کرنے اور صَرف کرنے کے لیے ضروری ہے۔ واللہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

ایصالِ ثواب کے لیے فنڈ کا قیام

س : اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کی خاطر ہم نے ایک فنڈ قائم کیا ہے تاکہ صدقۂ جاریہ کا ایک نظام بنا سکیں۔ اس فنڈ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ ہم چند رشتہ داروں نے مل کر ایک اسلامی بنک میں جوائنٹ اکاؤنٹ کھولا ہے۔ اس اکاؤنٹ میں صدقہ' خیرات' عطیات اور چندے کی نیت سے نکالی جانے والی رقم جمع کی جاتی ہے۔ یہ رقم یا سرمایہ ہم خود' اپنے خاندان اور اپنے اعزہ و اقربا سے مندرجہ بالا اکاؤنٹ میں جمع کرتے ہیں۔ یہ اکاؤنٹ چند حضرات کے مشترکہ کنٹرول میں ہے اور جمع شدہ سرمایہ کسی کی بھی

ذاتی ملکیت نہیں بلکہ بطورِ امانت اُن کے پاس ہے۔ ہم اس سرمائے کو اسلامی بنکوں کے ذریعے سود سے پاک سرمایہ کاری میں لگاتے ہیں، اور جو منافع حاصل ہوتا ہے، وہ کسی فلاحی مقصد میں بہ نیت ایصالِ ثواب استعمال کر لیتے ہیں۔

اس ضمن میں پہلا سوال یہ ہے کہ اس اکاؤنٹ میں مندرجہ بالا مقصد کے لیے ہم کن کن مدات کی رقم وصول کر سکتے ہیں؟ اگر ہم اس سرمائے اور اس کے نفع کو محض ایک مقصد، یعنی امراضِ جگر وگردہ میں مبتلا مستحق مریضوں اور اس کام سے منسلک ہسپتالوں کے لیے استعمال کریں تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے بھی اس فنڈ کی اعانت کی جاسکتی ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا طریقۂ کار سے جو سرمایہ حاصل ہوتا ہے اُسے ہم پانچ سالوں کے دورانیے کے لیے مختلف حلال منافع بخش اسکیموں میں لگا رہے ہیں۔ کیا اس سرمائے پر زکوٰۃ واجب ہے؟

ج: آپ نے فقرا ومساکین اور نادار لوگوں کی خدمت کے لیے جو اسکیم بنائی ہے وہ قابلِ قدر اور قابلِ تقلید ہے۔ تمام صاحبِ حیثیت لوگ حاجت مندوں کو روٹی کپڑا، رہایش، علاج اور تعلیم کے وسائل فراہم کرنے کے لیے اس طرح کی اسکیمیں بنائیں تو اسلامی تہذیب وثقافت کا احیا ہوگا۔

اصلاً یہ کام تو حکومت کا ہے۔ گذشتہ ادوار میں اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی سفارشات کی روشنی میں زکوٰۃ وعشر اور بیت المال کا جو نظام ترتیب دیا گیا، ان سفارشات کو اصل شکل میں نافذ کرنے کے بجاے ترمیم کر کے ناقص شکل میں نافذ کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں زکوٰۃ وعشر اور بیت المال کا نظام غریبوں کی ضروریات کا کفیل بننے میں ناکام رہا ہے۔

آپ اپنی اس اسکیم کو مستحقینِ زکوٰۃ، غربا اور نادار لوگوں کی حاجات وضروریات کو پورا کرنے تک محدود رکھیں تو اس اسکیم میں زکوٰۃ بھی جمع کر سکتے ہیں۔ اگر امراضِ جگر ومعدہ وغیرہ کے لیے مختص رکھنا چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں، لیکن اس سلسلے میں اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ رقم کسی ہسپتال کو دینے کے بجاے براہِ راست مریض جو زیرعلاج ہے اس کو نقد یا اس شکل میں دیں کہ اخراجات کے بل جو آپ کو دیے جائیں ان کی ادایگی ہسپتال میں کر دیں۔ مریض کو ہسپتال میں

داخل کرتے وقت ہسپتال کے ساتھ طے ہوجائے کہ بلوں کی ادایگی ہمارے ذمہ ہوگی، اس لیے بل ہمیں دیے جائیں اور اگر مریض کو علاج کے علاوہ ضروری اخراجات کے لیے رقم کی ضرورت ہو تو آپ اس کی ادایگی براہِ راست مریض کو کردیں۔

یہ رقم چونکہ فقرا کو دینے کی نیت سے مشترکہ اکاؤنٹ میں جمع ہے، مالکوں کی ملکیت سے نکل چکی ہے لیکن کسی فقیر کی ملکیت میں بھی نہیں آئی، اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ جو بھی نفع ہوگا وہ سب کا سب فقرا و مساکین کو مل جائے گا۔

البتہ اس رقم کو اکاؤنٹ اور کاروبار میں لگا کر منجمد نہ رکھا جائے، بلکہ جس مقصد کے لیے جمع کیا ہے اس پر خرچ بھی کیا جائے اور اتنا خرچ کیا جائے جس سے ایک آدمی کی وہ ضرورت جس کو پورا کرنے کے لیے آپ رقم صرف کر رہے ہیں، پوری ہوجائے اور وہ کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے۔ تھوڑے افراد کی پوری خدمت، زیادہ کی ناقص خدمت سے بہتر ہے۔ آپ جگر و گردے کے علاوہ کسی دوسری بیماری یا دوسری ضروریات کو پورا کرنے کا منصوبہ بھی بنا سکتے ہیں۔ اس کے لیے یہی اصول پیشِ نظر رہے کہ ضرورت مند کو براہِ راست نقد یا فیس کی شکل میں ادایگی کی جائے، یا اتنی رقم دے دی جائے جس سے وہ معقول کاروبار کرسکے۔

اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے خاندان کو خدمتِ خلق کی برکت دنیا میں عزت و وجاہت اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے بچاؤ کی صورت میں عطا فرمائے۔ آمین! (ع-م)

والدہ کی ناراضی اور قطع رحمی

س: میں پیدایشی طور پر بصارت سے محروم ہوں لیکن میں نے اپنی معذوری کو رکاوٹ نہ بننے دیا اور پی ایچ ڈی کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اچھی ملازمت بھی مل گئی۔ میری والدہ میری تعلیم کے حق میں نہیں تھیں کہ اس سے دماغ پر زور پڑے گا اور اس پر وہ کچھ ناراض سی ہیں۔ والد صاحب کا تعلق بھی تحریک سے تھا اور والدہ بھی تحریک سے وابستہ ہیں۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد والدہ کا رویہ میرے مقابلے میں دوسرے بھائیوں سے زیادہ ہمدردانہ ہوگیا اور میری اہلیہ سے بھی ناراض رہنے لگیں۔ میں نے

والدہ کی خوشی کے لیے طرح طرح سے کوشش کی، جس کا دوسرے لوگ بھی اعتراف کرتے ہیں لیکن والدہ کی ناراضی دُور نہ ہوئی۔

دیگر اہلِ خانہ سے میرا رویہ ہمیشہ جانثارانہ اور ایثار پر مبنی رہا۔ بہت سے مواقع پر میں نے بڑھ چڑھ کر معاونت بھی کی۔ اس سب کے باوجود ایک موقع پر والدہ کی ناراضی مجھے مشتعل کرگئی اور کچھ تلخی ہوگئی۔ چھوٹے بھائی نے مجھے گھر سے چلے جانے کا حکم دیا، جب کہ والدہ اور دیگر بہن بھائی خاموش رہے۔ مجھے مجبوراً گھر چھوڑنا پڑا۔ ان حالات میں، میں نے بنک سے سود پر قرض لے کر ایک چھوٹا سا مکان لیا۔ اب میں مزید قرض تلے دبا جا رہا ہوں۔ سخت ذہنی دباؤ میں ہوں، رہنمائی فرمایئے۔

ج: آپ کے خط سے جہاں آپ کی ذہنی کوفت اور پریشانی کا اظہار ہوتا ہے وہاں اس سے کہیں زیادہ آپ کے پُرعزم ہونے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد، صلہ رحمی اور قطع رحمی سے اجتناب اور والدہ صاحبہ اور اپنے بھائی بہنوں کے لیے ایثار و قربانی کے جذبے کا پتا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین اجر اس دنیا میں اور آخرت میں دے۔

مسئلہ میری نگاہ میں، آپ کی اہلیہ اور آپ کے بھائیوں کی بیویوں کے طرزِعمل میں اختلاف کا نہیں ہے بلکہ دعوتِ اسلامی، نظمِ جماعت اور حقوق العباد میں باہمی تعلق کا ہے۔ جماعت اسلامی کے قیام سے لے کر آج تک تحریک اسلامی نے جن بنیادی امور پر زور دیا ہے، ان میں اللہ تعالیٰ سے تعلق کے ساتھ ساتھ، خاندان میں دعوت و اصلاح کو بھی یکساں اہمیت دی ہے۔ فرد کی اصلاح کے ساتھ خاندان اور معاشرے کی اصلاح آخرکار تبدیلیِ قیادت کی طرف لے کر جاتی ہے۔ لیکن عملاً ہوا یہ ہے کہ شاید تحریک کے نظامِ تربیت میں توسیع دعوت، تبدیلیِ معاشرہ اور تبدیلیِ اقتدار زیادہ مرکزیت اختیار کر گئے اور خاندان کے ادارے کی اصلاح کو کارکنوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ ایک جانب ایک کارکن خلوصِ نیت اور اپنی تمام تر قوت کے ساتھ تحریک کی دعوت پھیلانے اور نظم کی اطاعت میں مطلوبہ سرگرمیوں میں تو مصروف ہوگیا لیکن وہ اپنے گھر میں مروجہ روایات، برادری اور خاندان کے رواج سے اپنے آپ کو آزاد نہ کرسکا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جہاں آپ کے والد آپ کی

پیدایش سے قبل جماعت کے رکن بن چکے تھے اور بعد میں آپ کی والدہ بھی رکن بن گئیں، یعنی انھوں نے مطلوبہ نصابِ کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد شعوری طور پر تحریکِ اسلامی کی دعوت پر لبیک کہا، اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اجتماعات میں شرکت، دعوتی سرگرمیوں میں حصہ اور دیگر فرائض کی ادایگی کا عہد کیا لیکن دعوت کے ایک بنیادی اور اہم نکتے، یعنی معاملات کو وہ ترجیح نہ دی جاسکی جس کا وہ مستحق ہے۔

ترجمان القرآن کے قاری اکثر اپنے سوالات کے ذریعے جو مسائل اٹھاتے ہیں وہ معاملات کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ مثلاً خصوصاً شوہر کا بیوی کے ساتھ سلوک، یا والدین کے ساتھ اولاد کا معاملہ، یا شادی کے بعد ایک شادی شدہ جوڑے اور سسرالی رشتے داروں کے ساتھ ان کے تعلقات۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلق باللہ اور تبدیلیِ زمام کار میں اپنی کوشش اور کاوش میں ہم اتنے مصروف ہوجاتے ہیں کہ معاملات سے متعلق بہت سی باتیں نظر سے محو ہوجاتی ہیں۔

اس طویل تمہید کے بعد جو سوالات آپ نے اٹھائے ہیں ان کے حوالے سے پہلی بات یہ ہے کہ والدہ کی زیادتی کے باوجود اب، جب کہ آپ الگ گھر میں رہ رہے ہیں، ان سے تعلق اور ان کے احترام میں کمی نہ آنے دیں۔

دوسری بات یہ کہ جو کچھ آپ کے چھوٹے بھائی بہنوں نے آپ کے ساتھ کیا، وہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے، لیکن اس کے باوجود آپ ان کی اس زیادتی کو اللہ کی خوشی کے لیے معاف کرتے ہوئے، ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع تعلق کرنے والے رشتے دار سے جڑنے کا حکم دیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جن حالات میں آپ نے بنک سے سود پر قرض لے کر مکان لیا ہے وہ بظاہر اضطرار، کی تعریف میں آتے ہیں۔ کوشش کیجیے کہ آپ جلد اس حالتِ اضطرار سے نکل سکیں۔ تحریکی ساتھیوں کو چاہیے کہ وہ اس قرض سے نکالنے کے لیے آپ کے ساتھ تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ محترمہ کو اپنی غلطی کا احساس دلائے اور وہ کشادگیِ قلب کے ساتھ آپ سے شفقت و محبت سے پیش آسکیں۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

قطع رحمی: ایک اذیت ناک پہلو

س : میرے والد اور سسر کی بہت اچھی دوستی تھی جس کی وجہ سے والد صاحب نے ہم دونوں بہنوں کی منگنیاں چھوٹی عمر میں ہی ان کے دو بیٹوں سے کردیں۔ میری شادی منگنی کے چار سال بعد ہوگئی۔ منگنی کے وقت میری امی چھوٹی بہن کے لیے راضی نہ تھیں۔ ایک تو اُس کی عمر کی وجہ سے، دوسرا یہ کہ ہماری طرف خاندان سے باہر رشتہ کم دیا جاتا ہے۔ لیکن والد صاحب اور سسر کے اصرار پر یہ رشتے طے ہوگئے۔

شادی کے کچھ عرصے بعد میرے والد صاحب بیمار ہوئے اور اسی بیماری کے دوران انھوں نے چھوٹی بہن کے رشتے سے انکار کردیا جس پر میرے سسر ناراض ہوگئے اور مجھے بھی واپس بھیجنے کا کہا۔ مگر میں نے جانے سے انکار کردیا۔ اس پر انھوں نے کہا کہ تم اُن سے کوئی تعلق نہیں رکھو گی۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی دوران میرے والد صاحب بہت بیمار ہوگئے حتیٰ کہ ان کی وفات پر بھی مجھے جانے کی اجازت نہیں ملی۔

آج اس واقعے کو دو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، میرے سسر الحمدللہ میرے ساتھ بہت اچھے ہیں مگر ان کے دل میں اُن سب کے لیے نرمی نہیں آتی۔ وہ بظاہر مجھے کہتے ہیں کہ تم پر کوئی پابندی نہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ بچیاں نہیں جائیں گی۔ میں اُن کو چھوڑ کر بھی نہیں جانا چاہتی اور سسر کی اجازت کے بغیر بھی جانا ٹھیک نہیں لگتا۔ اگرچہ میرے شوہر کی طرف سے مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں لیکن عملاً یہ مشکلات کا باعث ہوگا۔ میری والدہ اب کافی پریشان رہتی ہیں۔ براہ مہربانی رہنمائی فرمائیں۔

ج: آپ کے سسر صاحب نے، گو وہ عموماً اچھا طرزِعمل رکھتے ہیں اور آپ نے بھی ان کے لیے تعریفی کلمات لکھے ہیں، عصبیت جاہلیہ کی بنا پر آپ کو آپ کے والد صاحب کی بیماری کے دوران ان کی عیادت اور وفات پر دعاے مغفرت میں شرکت سے محروم رکھ کر اپنے آپ پر اور آپ پر ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرے۔ اسی بات کو صاحب قرآن نے قطع رحمی کہہ کر پکارا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے، خواہ کسی قسم کی رنجش کیوں نہ ہو، تین دن سے زائد

اپنے آپ کو کاٹ رکھنے کا حق نہیں ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ استغفار کریں اور آپ کو اپنی والدہ سے ملنے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔ یہ بھی ظلم ہی کی ایک شکل ہے کہ بچیوں کو لے کر نہ جاؤ۔

آپ کے شوہر کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اگر وہ اپنے والد کی اطاعت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کریں گے تو یہ اللہ اور رسولؐ سے بغاوت کے مترادف ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے والد کو اس ظلم سے روکیں اور خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کریں۔ آپ کے والد کی وفات پر آپ کو روک کر آپ کے سسر اور شوہر دونوں نے آپ پر اور اپنے اُوپر بہت سخت زیادتی کی ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں صدقات اور اللہ سے توبہ و استغفار کے ذریعے اپنی غلطی کی تلافی کی کوشش کریں۔ (ا-ا)

بچیوں کا حفظ قرآن، ایک غلط فہمی

س: میرے شوہر حافظ قرآن ہیں۔ میری چار بیٹیاں ہیں۔ بچیوں کو حفظ کرانے کا ارادہ اور خواہش اُن کی پیدایش سے ہی میرے دل میں تھی۔ مگر اکثر لوگ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ بچیوں کے حفظ کے معاملے میں احتیاط کرو، وہ سنبھال نہیں پائیں گی۔ اس خواہش کی وجہ سے اُن کے لیے ایسے اسکول کا انتخاب کیا تھا جہاں حفظ کا اہتمام تھا اور ساتھ میں تھوڑا سا ماحول بھی نظر آیا لیکن اطمینان نہیں۔ رہنمائی فرمائیں۔

ج: والدین پر اولاد کا یہ حق ہے کہ وہ ان کی صحیح اسلامی تربیت کریں کیونکہ حدیث کی روشنی میں وہ اولاد پر راعی بنائے گئے ہیں اور انھیں اس کا جواب اللہ تعالیٰ کو دینا ہوگا۔ اس لیے بچیوں کی صحیح اسلامی تربیت آپ پر اور آپ کے شوہر پر فرض ہے۔ یہ بات بے بنیاد ہے کہ لڑکیاں قرآن کریم کے حفظ کا حق صحیح ادا نہیں کرسکتیں۔ قرآن وسنت کی تمام تعلیمات بغیر کسی جنسی تفریق کے مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ اہتمام ضرور کریں کہ کسی ایسی قاریہ سے حفظ کرائیں جو اپنے طرزِعمل سے انھیں قرآن کے قریب لاسکے، کیونکہ بعض معلمین اپنے طرزِعمل کی وجہ سے بچوں کو قرآن کے مطلوبہ طرزِعمل سے دُور کر دیتے ہیں۔ (ا-ا)

کتاب نما

قرآنِ کریم کا اعجاز بیان' ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطئ۔ مترجم: محمد رضی الاسلام ندوی۔
ناشر: دارالکتاب' غزنی سٹریٹ' اُردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۳۶۸۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

نزولِ قرآن کے بعد کوئی صدی ایسی نہیں گزری جس میں قرآن کے اعجاز بیان کے موضوع پر علمی مباحث کی گرم بازاری نہ رہی ہو۔ زیرنظر کتاب عالمِ اسلام کی ایک محقق استاذہ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن کی عربی تالیف الاعجاز البیانی للقرآن الکریم کا اُردو ترجمہ ہے۔ مصنفہ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمی ناروں میں قرآنی موضوعات پر مقالات پیش کر چکی ہیں اور ان کے زیرنگرانی متعدد پی ایچ ڈی اسکالر قرآنی موضوعات پر ریسرچ کر چکے ہیں۔

اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ منکرین' قرآن کے ہر چیلنج کے سامنے عاجز آ گئے۔ وہ عرب قوم جو اپنی فصاحت و بلاغت اور خطابت و زبان آوری پر فخر کرتی تھی' اس کے شاعر و خطیب اس قرآن کی معجز بیانی کے سامنے اپنی بے بسی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آخر وہ قرآن کی مثل ایک سورت بھی لا سکنے سے کیوں عاجز رہے؟ جب کہ عربی ان کی مادری زبان تھی اور وہ زبان و بیان پر پوری طرح قادر تھے' اس سوال کا جواب مصنفہ نے کتاب میں دینے کی بڑی اچھی کوشش کی ہے۔ ان کے نزدیک اہلِ عرب نے قرآن کے اعجاز بیان کا ادراک کر لیا تھا جس نے انھیں کسی بھی ایسی کوشش سے مایوس کر دیا کہ وہ قرآن کے کسی بھی لفظ کی جگہ کوئی دوسرا لفظ لا سکیں یا کسی آیت کو دوسرے انداز میں پیش کر سکیں۔ (ص ۱۵)

قرآن کا اعجاز کیا تھا؟ اس سوال کا احاطہ کرنے کی کوشش کرنے والوں کے دلائل اور تذکروں سے تاریخ ادب کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ کتاب کے مقدمے میں مصنفہ نے بڑی عرق ریزی سے علمائے سلف کی عبارات کے حوالے سے یہ دل چسپ حقیقت بیان کی ہے کہ

ہر زمانے کے محققین نے یہ دعویٰ کیا کہ اعجاز قرآن پر جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں‘ وہ حرف آخر ہے۔ حافظ ابن قتیبہ سے ابوبکر السجستانی تک‘ رمّانی و قاضی عبدالجبار سے باقلانی تک‘ یحییٰ علوی و ابن رشد سے ابن سراقہ و برہان الدین بقاعی تک‘ جرجانی سے رافعی تک‘ انھی دعووں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ لیکن ایک صدی بھی نہ گزر پاتی تھی کہ ان کے دعوے پر خط تنسیخ کھینچنے والا نیا دعوے دار اُٹھ کھڑا ہوتا اور قرآن کے اعجازِ بیان کو اپنی عقل وفکر کی محدودیتوں کا پابند کرنے کی کوشش کرتا حالانکہ قرآن کا اعجاز بیان ان کی قائم کردہ حد بندیوں سے بالاتر تھا۔

اعجاز اور تحدی (چیلنج) میں فرق کیا ہے؟ اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ماہرین بلاغت کی عبارات واقتباسات کے ذریعے اعجاز قرآن کی بابت ان کا نظریہ بیان کیا ہے۔ مصنفہ نے اپنی تحقیقات کو تین فصول ’’اعجاز قرآن (۱) حروف میں (۲) الفاظ میں (۳) اسالیب میں‘‘ تقسیم کر کے ہر ایک کی وضاحت کے لیے آیات وسورتوں سے مثالیں دی ہیں اور یہ ثابت کرنے کی بہترین کوشش کی ہے کہ قرآن کا ہر لفظ‘ ہر حرف اور ہر اسلوب اپنی جگہ بھرپور بلاغت رکھتا ہے اور یہی اعجازِ قرآن ہے۔ کسی بھی قرآنی لفظ کے معانی کا تعیّن یا حرف کی وضاحت ’’تفسیر القرآن بالقرآن‘‘ کے اصول پر کی گئی ہے۔ کتاب اپنے موضوع کا مکمل احاطہ کرتی ہے۔ موضوع کے اعتبار سے ثقیل ہونے کے باوجود مترجم نے جملوں کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔ ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

(ڈاکٹر اختر حسین عزمی)

قائداعظم جناح، برصغیر کا مردِ حریت، شریف فاروق۔ ناشر: مکتبہ اتحاد‘ اسلامیہ کلب بلڈنگ‘ خیبر بازار‘ پشاور۔ صفحات: ۵۳۲۔ قیمت مجلد: ۹۲۵ روپے۔

قائداعظم محمدعلی جناح کو اپنی زندگی میں متحدہ ہندی قومیت کے علَم برداروں کی تنقید کا سامنا تھا‘ اور انتقال کے بعد پاکستان کے کانگرسی عناصر اور بالخصوص ’روشن خیال اور ماڈریٹ‘ دانش وروں کی مخالفت بلکہ کردارکشی کی مہم کا نشانہ بننا پڑا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ دوسری قسم کے لکھنے والوں کے جارحانہ رویے میں وسعت آئی‘ جب کہ قائداعظم کے بارے میں حقیقت پسندی اور ہمدردی سے لکھنے والے اہلِ قلم میں ویسا عزم اور ویسی قوت سے نظر نہیں آتی۔

اس فضا میں پاکستان کے معروف صحافی اور دانش ور شریف فاروق کی زیرنظر کتاب متعدد حوالوں سے ایک گراں قدر کاوش ہے۔

مؤلف نے قائداعظم پر ولی خاں کی الزام تراشی کا مسکت جواب دیا ہے (ص ۲۴، ۲۸۵)۔ انھوں نے بجاطور پر یہ گلہ کیا ہے کہ: ''پاکستانی مصنفین نے قائداعظم کے برطانوی سامراج کے خلاف انقلابی رول [کونمایاں کرنے] کی طرف کوئی توجہ نہیں دی'' (ص ۲۰۵)، جب کہ اس کتاب میں اس موضوع پر بہت سے چشم کشا حوالے درج ہیں۔ بھارتی اسکالر ڈاکٹر اجیت جاوید کی کتاب سے اس ضمن میں نہایت دل چسپ حقائق پیش کیے ہیں (ص ۳۳۹-۳۷۹)۔ قائداعظم کی اسلامی یا سیکولر سوچ کے موضوع پر بڑی سیرحاصل بحث پیش کی گئی ہے۔ اسی طرح سٹینلے ولپرٹ کی جانب سے قائد کی سوانح پر سیرحاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اسلوبِ بیان کسی خشک تحقیقی کتاب کا سا نہیں ہے، بلکہ صحافتی اسلوبِ نگارش میں تحقیقی حقائق کو عام فہم انداز میں 'جوشِ پاکستانی' (بروزن جوشِ ایمانی) کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر پریشان خٹک، شریف الدین پیرزادہ اور ڈاکٹر جاوید اقبال کی تقاریظ نے کتاب کے داخلی حسن کو نمایاں کیا ہے۔ کتاب مختلف اوقات میں مذکورہ بالا موضوع پر لکھے جانے والے مقالات کا مجموعہ ہے۔ ہماری نئی نسل کو اس طرح کی کتابیں پڑھنا چاہییں۔ (سلیم منصور خالد)

Religion and Politics in America [امریکا میں مذہب اور سیاست]، ڈاکٹر محمد عارف ذکاءاللہ۔ ناشر: مرکز الزیتونہ برائے تحقیق و مشاورت، بیروت، لبنان۔ صفحات: ۱۷۴۔ قیمت: درج نہیں۔

یہ سوال بار بار اٹھایا جاتا ہے کہ مذہب و سیاست کی حدود کیا ہیں؟ کیا انھیں ایک دوسرے کے ساتھ متحرک ہونا چاہیے یا دونوں کے اہداف و دائرہ کار مختلف ہیں، اس لیے ایک کو دوسرے کے امور میں دخل نہ دینا چاہیے۔ جدید تہذیب کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ مذہب کو کاروبارِ زندگی سے بالکل الگ تھلگ رکھنا چاہیے۔ اس موضوع پر بحث جاری ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی، کوالالمپور، ملایشیا میں شعبہ اقتصادیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر

محمد عارف ذکاءاللہ کی کتاب Religion and Politics in America: The Rise of Christian Evangaelists and Their Impact فروری ۲۰۰۷ء میں منظرعام پر آئی ہے۔ کتاب کا بنیادی خیال امریکا میں مذہب اور سیاست کا باہمی تعامل اور اس کی جہات کا تعین ہے۔ اس کتاب میں مسیحی ایونجیلیکل (بنیاد پرست) مذہب کے تاریخی پس منظر اور نشوونما کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے دلائل اور اعداد و شمار بھی پیش کیے ہیں لیکن اس تحقیق کا مقصد کسی ملک یا اس کے عوام کو موردِالزام ٹھیرانا نہیں ہے بلکہ بین التہذیبی مکالمے کے لیے فضا ہموار کرنا ہے۔

کتاب کا آغاز مسلم دنیا اور امریکا کے درمیان پائے جانے والے موجودہ حالات کے جائزے سے کیا گیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ ۲۰ویں صدی کے پہلے ۱۰برسوں میں دونوں اطراف کے انتہا پسندوں نے کچھ ایسے اقدامات کیے جن کی بدولت غلط فہمی اور بداعتمادی کی خلیج زیادہ گہری ہوگئی۔ مغربی ممالک اور عالمِ اسلام دونوں کی اکثریت امن سے محبت کرنے والی ہے۔ مغرب کے شاطروں نے تہذیبی کش مکش اور اسلامی فوبیا جیسے نظریات پیش کر کے سارا الزام مسلمانوں اور اسلام کے سر منڈھ دیا ہے۔ دوسری طرف مسلم دنیا کا یہ عالم ہے کہ مسائل کے حل کے لیے جو ماڈل پیش کیے گئے ہیں ان سب میں ہر الزام مغرب پر جاتا ہے یا اسرائیل پر۔ مصنف کا خیال ہے کہ ایک مختلف اپروچ کی شدید ضرورت ہے۔

مسلم دنیا کو اس بات کی قدر کرنا چاہیے کہ مغربی معاشروں میں عوامی رائے کو غیرمعمولی قدر و قیمت حاصل ہے۔ وہاں صدر، وزیراعظم اور کابینہ کی خواہشات کو رائے عامہ پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ کتاب میں امریکا میں مسیحیت کے پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ ذکاءاللہ نے ان اقتصادی و معاشرتی اسباب کا جائزہ بھی لیا ہے جن کی بدولت امریکی معاشرہ 'موجودہ مسیحی بنیاد پرستی' کی طرف راغب ہوا اور قدامت پسند اقلیت بن گئے۔ یہ 'بنیاد پرست مسیحیت' فکری، تعلیمی اور تنظیمی میدانوں میں سرگرم ہوگئی۔ اس کا زیادہ انحصار ذرائع ابلاغ پر رہا، تاہم اس نے 'سیاست میں عدم شرکت' کی پالیسی پر بھرپور عمل کیا، یہاں تک کہ ۱۹۷۶ء کے صدارتی انتخابات نے مسیحی بنیاد پرستی کا راستہ ہموار کیا اور اسے سیاسی قوت کا راستہ مل گیا۔

آخر میں مصنف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تعلیمی و فکری حلقوں میں نئی تہذیبی اپروچ اور

بیداری کی ضرورت ہے۔ مسلمان دانش وروں' ذرائع ابلاغ اور پالیسی سازوں کو سنجیدگی کے ساتھ سمجھنا چاہیے کہ مغرب میں معاشرہ کس طرح کام کرتا ہے۔ انھیں مغرب کی رائے عامہ سے تعمیری انداز میں معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں تہذیبوں کے درمیان ایک حقیقی' بامعنی اور بین التہذیبی مکالمے کا آغاز ہوسکتا ہے۔ اس کے ذریعے کئی مسائل کے حل کے لیے پرامن اور باہمی طور پر فائدہ مند فضا پیدا ہوسکتی ہے۔ کتاب کا عربی میں ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ (محمد ایوب منیر)

ایک دلِ ناصبور' محمود عالم۔ ناشر: اُردو بک ریویو' ۳/۱۷۳۹' نیو کوہ نور ہوٹل' پٹودی ہاؤس' دریا گنج' نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

محمود عالم (م: ۲۴ مارچ ۲۰۰۷ء) ایک حساس دل کے مالک تھے۔ ان کے زیرنظر مجموعے میں شامل ۱۶ کہانیوں کے موضوعات بالکل منفرد ہیں۔ ادگھڑ' خواجہ سراڈائسٹی' تماشا میرے آگے' اب کوئی گلشن نہ اُجڑے' صاحب کا کتا' برمردار' ایک دوست کا مرثیہ' سونامی اور اصیل مرغ۔ بعض افسانوں میں کہانی پن تو بہت کم ہے لیکن احساسات و جذبات کا ایک سیلِ رواں ہے۔ ان کے ہاں اُمت مسلمہ کی حالتِ زار اور اس کی وجوہ کی بنیادیں تلاش کرنے کی کامیاب کوشش دکھائی دیتی ہے۔ سپرطاقتوں کے ہاتھ میں بنے کٹھ پتلی مسلم حکمرانوں نے ذاتی مفادات کی خاطر کس طرح وحدت ملّی کو پارہ پارہ کردیا' اپنے پرائے کی پہچان ختم ہوگئی اور یہود و نصاریٰ کے اشاروں پر اپنے ہی بھائی بندوں کا خون بہایا جارہا ہے۔

محمود عالم کی ان کہانیوں میں قرآن و حدیث کے حوالے بکثرت ملتے ہیں۔ 'انوکھا تجربہ' میں اخلاق کی تبلیغ خاص طور پر بوڑھوں کے ساتھ برتاؤ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ خدا کے ہاں اس عمل کا کیا درجہ ہے۔ 'خوشبو' اور 'طائران حرم' میں سچے اور پاک جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ 'دیدۂ تر' ایک معصوم خوب صورت لڑکی کی کہانی ہے جو محبت کے پاکیزہ جذبات رکھتی ہے اور فطرت کی طرح نہایت ہی سادہ و معصوم اور مادیت پرستی سے بے گانہ ہے۔ 'سفید جھوٹ' اور ایک 'دل ناصبور' میں بھی محبت کے پاکیزہ جذبات کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک چھوٹی سی کہانی 'پشیمانی' کے نام سے ہے جو اگرچہ بچوں کے لیے ہے لیکن اس میں ایک بھائی کی محبت کا قصہ ہے خاص طور پر

جب انسان کسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے تو عمر بھر اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔

محمود عالم کی یہ کہانیاں تصنع اور بناوٹ سے پاک ہیں، بلکہ ایک ایسے شخص کی آواز ہیں جو اپنے گھر کو جلتا ہوا دیکھتا ہے اور بے اختیار چلاّتا ہے۔ چلاّنے کے اس عمل میں اگرچہ فنی تقاضوں کا خیال رکھنا مشکل ہوتا ہے لیکن اس کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ 'از دل خیزد بر دل ریزد' یعنی دل سے یہ جذبات اُٹھتے ہیں اور دل پر اثر کرتے ہیں۔ (محمد ایوب منیر)

بتول (افسانہ نمبر) مدیرہ: ثریا اسماء۔ ادارہ بتول، کمرہ ۱۴-ایف، سید پلازا، ۳۰-فیروز پور روڈ، لاہور-فون: ۷۵۸۵۴۴۹۔ صفحات: ۲۰۰۔ قیمت: ۵۰ روپے۔

ماہ نامہ بتول گذشتہ ۶۰ سال سے شائع ہو رہا ہے۔ 'اشاعتِ خاص' بتول کی روایت رہی ہے۔ زیرنظر 'افسانہ نمبر' اسی کا تسلسل ہے۔ اس میں افسانوں اور کہانیوں کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ ادب کی ماہیت و مقاصد اور اسلامی ادب کی بنیادی اقدار کی وضاحت پر سید امجد الطاف، عماد الدین صدیقی اور ماہر القادری کے خاص مضامین، بتول کی قلم کاروں کے بارے میں فرزانہ چیمہ کا سروے، شاہدہ ناز قاضی سے ایک ملاقات، سلمٰی اعوان کے سفرِ استنبول کی ایک جھلک، طویل اور مختصر افسانے۔ کلاسیکی ادب سے پریم چند کا معروف اضافہ 'حج اکبر' اور امریکی افسانہ نگار کیٹ چوپن کا شاہ کار افسانہ 'پچھتاوا' جسے خاص نمبر کی بہترین تحریر کہا جاسکتا ہے۔

بتول کے نئے پرانے لکھنے والوں کے یہ افسانے، اس خاص ذوق اور ذائقے کے آئینہ دار ہیں جو بتول کا نصب العین اور اس کی پہچان ہیں، یعنی حسنِ معاشرت کا وہ اسلوب اور وہ طریقہ جس میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ، اسوۂ کامل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان افسانوں میں ایک پاکیزہ اور صالح زندگی کے نمونے ملتے ہیں اور یوں یہ افسانے ایک مثبت اور تعمیری فکر کی نمایندگی کرتے ہیں۔ (رفیع الدین ہاشمی)

تعارف کتب

☆ اسلامی تمدن کے ۱۴ اساسی اصول وضوابط، ڈاکٹر ایچ بی خاں۔ ناشر: الحمد اکادمی، ۱/۱۸-جے-۲، ناظم

آباد کراچی، پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: ۳۵۰ روپے۔[سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے چوتھے رکوع میں وہ ۱۴ احکامات بیان کیے گئے ہیں جو اللہ کے رسولؐ کو معراج کے موقعے پر دیے گئے تھے۔ کسی اسلامی معاشرے کے یہ بنیادی اصول ہیں جن پر جدید دور میں ایک متمدن معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر ایچ بی خان نے انھی ۱۴ اساسی اصولوں کو اس ضخیم کتاب میں سیرت و تاریخ کی روشنی میں بیان کیا ہے جس سے آج کے دور میں عملی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔]

☆ **کرۂ ارض کے آخری ایام**، محمد ابومتوکل، ترجمہ: رضی الدین سید۔ ناشر: دارالاشاعت، اُردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی۔ فون: ۲۲۱۳۷۶۸۔ صفحات: ۲۹۶۔ قیمت: درج نہیں۔[مصنف کی انگریزی کتاب Milestones To Eternity کے تیسرے حصے میں قیامت کی لاتعداد چھوٹی بڑی نشانیوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور تذکیر کے لیے قرآن کی آیات سے استدلال بھی کیا ہے، نیز ان نشانیوں کا کئی مقامات پر سائنسی تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ رضی الدین سید نے اس کا عمدہ ترجمہ کیا ہے جو دارالاشاعت نے عمدگی سے شائع کیا ہے۔ قیامت تو آج یا کل آنا ہے۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ ہم نے اس کی تیاری کیا کی ہے!]

☆ **اسلام کا نظامِ حیات**، عبدالوہاب ظہوری۔ ناشر: شرکۃ الامتیاز، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۱۲۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔[مصر کے دانش ور محمد احمد جادمولیٰ کی کتاب المثل الکامل کی بنیاد پر یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔ اس میں فرد کی اصلاح و تربیت، جماعتی تنظیم، اجتماع کے آداب، عقائد، اخلاق و عادات، معاشی ذرائع، حکومت الٰہیہ کا قیام، اسلامی ریاست، اقوامِ عالم کی اصلاح جیسے موضوعات پر اسلامی نظامِ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک جامع اور مفید کتاب اچھے معیار پر پیش کی گئی ہے۔]

☆ **شریعت یا جہالت**، تالیف: محمد پالن حقانی گجراتی۔ ناشر: بیت العلم ٹرسٹ، ST/9E، بلاک ۸، گلشن اقبال، کراچی۔ صفحات: ۸۵۳۔ قیمت: ۲۴۰ روپے۔[معاشرے میں ایسی بہت سی چیزیں رائج ہیں جنھیں لوگ دینی سمجھ کر کرتے ہیں، جب کہ دین میں ان کی کوئی اصل نہیں ہوتی بلکہ وہ دین کے خلاف ہوتی ہیں۔ ۸۵۰ صفحے کی اس کتاب میں اسی شرک اور بدعت سے بچانے کے لیے ۱۴۰ سے زیادہ عنوانات کے تحت قرآن و سنت کی روشنی بہم پہنچائی گئی ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے تحسین فرمائی ہے۔]

☆ **تحفظ نسواں یا تحفظ عصیاں بل**، تالیف: سمیحہ راحیل قاضی۔ ملنے کا پتا: مکتبہ معارف اسلامی، ۳۵-ڈی، بلاک ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ فون: ۶۳۴۹۸۴۰۔ صفحات: ۱۸۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔[اس مجموعے میں متعلقہ موضوع پر مؤلفہ کے اپنے مضمون کے علاوہ مفتی محمد تقی عثمانی، قاری محمد حنیف جالندھری، اسداللہ بھٹو، مفتی منیب الرحمٰن اور حافظ حسن مدنی کے مقالات یک جا کردیے گئے ہیں۔]

☆ **حقیقت معاذ**، محبوب سبحانی۔ ناشر: دارالتذکیر۔ رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ صفحات:

۱۶۷۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔[آخرت کے لیے معاد کا لفظ عام نہیں۔ امین احسن اصلاحی صاحب کے ہاں ملتا ہے۔ اس کتاب کو مولانا کی حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید، حقیقتِ نماز اور حقیقتِ تقویٰ کے سلسلے میں سمجھنا چاہیے کہ انھیں حقیقتِ معاد اور حقیقتِ رسالت لکھنے کی ارادے کے باوجود مہلت نہ ملی۔ محبوب سبحانی نے ایک شاگرد کی طرح تدبر قرآن کے ۶ ہزار سے زائد صفحات سے معاد کے مضامین کو جمع کردیا ہے۔ اسی لیے یہ ایک تالیف ہے کہ جس میں اصلاحی صاحب کے پیرے کے پیرے نقل کیے گئے ہیں۔ آخرت کے مختلف پہلوؤں پر قرآن کی روشنی میں گفتگو آ گئی ہے۔]

☆ تحقیق نامہ (۲۰۰۵ء-۲۰۰۶ء)۔ مدیر: سہیل احمد خان، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، یونی ورسٹی روڈ، لاہور۔ پاکستان۔ ص ۴۰۸۔ قیمت: درج نہیں۔[جی سی یونی ورسٹی کا خصوصی شمارہ، جو معاصر نام ور ادیبوں، شاعروں اور اکابر ادب کے مکاتیب بنام محمد طفیل مدیر نقوش لاہور پر مشتمل ہے۔ جاوید طفیل نے یونی ورسٹی کو ۵ ہزار خطوط کا عطیہ دیا ہے۔ لائبریری میں محفوظ، اس ذخیرے سے یہ منتخب خطوط، شعبہ اُردو کے استاد محمد سعید نے مختصر حواشی اور ایک مفصل مقدمے کے ساتھ مرتب کیے ہیں۔ ایک دل چسپ ادبی دستاویز۔]

☆ سہ ماہی الٰہیات، جھنگ۔ مدیرہ: آسیہ پروین۔ اسلامائزیشن انسٹی ٹیوٹ، حویلی بہادر شاہ جھنگ۔[حقوقِ نسواں کا علَم بردار سہ ماہی الٰہیات ان معنوں میں ایک منفرد تجربہ ہے کہ اسلامی الٰہیات سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے خواتین کے بارے میں جملہ مسائل کو زیر بحث لانے کا اہتمام کررہا ہے۔ صفحات کا دامن محدود ہے مگر مجلسِ ادارت کا عزم اور تصور بڑا واضح ہے۔ اس زمانے میں، جب کہ مسلم خواتین کے نام پر طرح طرح کے فتنے جگائے جارہے ہیں، یہ رسالہ تازہ ہوا کا ایک جھونکا ہے۔]

☆ تحفہ حرم، مولانا مرغوب احمد لاجپوری۔ ناشر: بیت العلم ٹرسٹ، ST/9E، بلاک ۸، گلشن اقبال، کراچی۔ صفحات: ۲۸۲ مجلد۔ قیمت: ۱۴۰ روپے۔[یہ کتاب آٹھ مقالات کا مجموعہ ہے۔ پہلا آبِ زم زم ۱۰۰ صفحات اور آخری عجوہ کھجور ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرے موضوعات حجر اسود، رکن یمانی، مقامِ ابراہیم اور ملتزم ہیں۔ ان موضوعات پر ضروری اور دل چسپ معلومات سلیقے سے جمع کردی گئی ہیں۔]

☆ اُساں نیں نبی پاکؐ اُوّر [ہمارے نبی مکرمؐ] محبت حسین اعوان۔ ناشر: ادارہ تحقیق الاعوان پاکستان، ۵۰۸ یونی شاپنگ سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔[ڈھونڈی کڑریالی (پہاڑی زبان) میں نبی کریمؐ کی سیرت مبارکہ پر دنیا بھر میں لکھی جانے والی پہلی کتاب۔ یہ زبان دریائے جہلم کے اطراف مری، کہوٹہ اور مظفر آباد وغیرہ میں بولی جاتی ہے۔ ڈھونڈی زبان کے ارتقا پر مفصل مقدمہ۔]

اشاعت خاص حسن البنا کا دوسرا حصہ جیسا کہ اعلان کیا گیا ہے کتاب ہوگی۔ اشاعت کے بارے میں آیندہ شمارے میں اطلاع ملاحظہ فرمایئے۔ (ادارہ)

مدیر کے نام

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، کراچی

امام حسن البنا شہید نمبر میں ماشاء اللہ کافی اچھے مضامین ہیں، خاص طور پر وہ انٹرویو جو عبدالغفار عزیز صاحب نے لیے، اور ان میں بھی عبدالمعز عبدالستار سے انٹرویو بہت معلومات آفریں ہے۔ شمارے میں تین باتوں کی کمی محسوس ہوئی، ایک تو ضروری تھا کہ ایک خاص صفحے پر شہید امام کا سوانحی خاکہ دیا جاتا، بچپن سے شہادت تک کے واقعات سال بہ سال۔ دوسرے یہ کہ ان پر لکھی جانے والی تصنیفات ایک مضمون میں جمع کر دی جاتیں، خاص طور پر جو عربی، اُردو اور انگریزی میں خاص ہیں۔ تیسرے یہ کہ عالمِ عرب میں، شہید اور ان کی تحریک کے اثرات، جو آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں ان کا تذکرہ کیا جاتا۔ ڈاکٹر انیس احمد صاحب کے مضمون میں پروفیسر کینٹ ویل اسمتھ کا ایک اقتباس اس کی کتاب Islam in Modern History سے دیا گیا ہے، جس میں اخوان کی یک گونہ تعریف ہے۔ لیکن اسی مصنف نے اپنی اسی کتاب میں سید قطب اور مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔ پروفیسر اسمتھ نے میک گل یونی ورسٹی کینیڈا کے ادارہ تحقیقات اسلامی سے وظائف دلوا کر متعدد پاکستانیوں کو وہاں تعلیم و تحقیق کے لیے بلایا، جن میں سے متعدد 'روشن خیال اعتدال پسندی' کی تصویر ثابت ہوئے ہیں۔ [ترجمان: ڈاکٹر صاحب کی بیان کردہ پہلی دونوں چیزیں آنے والے مجموعہ مضامین کے خاکے میں شامل ہیں، البتہ تیسرے نکتے پر کوئی جامع تحریر حاصل نہیں کر سکے۔]

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، معاون مدیر سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ، بھارت

اشاعتِ خاص خوب صورت، دل آویز اور مؤثر تحریروں پر مشتمل ہے۔ بیش تر قدیم تحریریں، جن کے ترجمے شاملِ اشاعت ہیں پہلی مرتبہ نظر سے گزری ہیں۔ جہاں تک یہ کہا گیا ہے کہ: ''یہ [تحریریں] ابھی تک اُردو میں شائع نہیں ہوئیں'' (ص ۴) عرض ہے کہ ان میں سے 'قرآن کی تفسیر کا اسلوب' (ص ۲۰۹) اور 'اُمت کا معمار' (ص ۸۵) بالترتیب سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ جنوری ۱۹۹۰ء میں اور مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۶ء سے شائع ہو چکی ہیں۔ ترجمے کی سعادت راقم کو حاصل ہوئی۔ ایک جگہ طٰہٰ حسین کی بے دینی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے: ''لوگوں نے بجا طور پر گرفت کی، اور وہ بعد ازاں یہ کہنے پر مجبور ہوئے: لیکن میں قرآن مجید پر ایمان رکھنے کے باعث دونوں [ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام] کے تاریخی وجود کا اقرار کرتا ہوں'' (ص ۲۲۲)۔ یہ بات درست نہیں ہے، انھوں نے اپنی بات سے رجوع نہیں کیا تھا، دیکھیے: فی الادب الجاہلی۔ پروف کی چند دیگر غلطیوں کے باوجود ترجمان کی اشاعتِ خاص کی اہمیت مسلّم ہے۔ اتنا معیاری، خوب صورت اور وقیع نمبر شائع کرنے پر

پُرخلوص مبارک باد قبول فرمائیں۔

حافظ عبدالمجید، باجوڑ ایجنسی، سرحد

خصوصی شمارہ پڑھ کر دل میں جذبہ اور تڑپ پیدا ہوئی۔ اس طرح کی دستاویزات کے مطالعے سے اسلام سے عقیدت اور تحریک کی خدمت کا جذبہ سوا ہو جاتا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد کے دل کش اور معلومات افزا مضمون نے گویا کہ رسالے میں جان ڈال دی ہے۔ میاں طفیل محمد صاحب کے پُرسوز انٹرویو نے دل کو موم کر دیا۔ حسن البنا اور قائداعظم کے خطوط پر مشتمل مضمون سے حسن البنا کی پاکستان سے محبت اور عالمِ اسلام کے تعلّق کا لازوال پہلو اُبھر کر سامنے آیا۔ ہمارے مرشدین اور قائدین کس طرح زمینی فاصلوں کی دُوری کو ایمان کی تڑپ سے اتنا قریب کر دیتے تھے کہ مصر میں بیٹھا فرد پاکستان کے بارے میں اس طرح سوچتا نظر آتا ہے جیسے وہ یہاں پر سب کچھ دیکھ کر اپنے جذبات بیان کر رہا ہے۔ افسوس کہ مشکل اور مصیبت کے لمحات میں پاکستانی حکام نے اخوان کی مدد کے لیے کچھ نہ کیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ شمارہ پاکستان کے ہر کالج، اسکول اور یونی ورسٹی کو بھیجا جاسکے۔ [ترجمان: کیوں نہیں، کوئی صاحبِ دل (و جیب) اسپانسر کرے۔]

حامد عبدالرحمٰن الکاف، یمن

سرورق اخوان المسلمون کی دعوت کا خلاصہ ہے۔ سلیم منصور خالد نے جس سلیقے سے، بانیِ اخوان اور بانیِ پاکستان کی ملاقات، ان کے باہمی تعلقات، مسلمانانِ ہندوپاک سے اخوان اور بانیِ اخوان کے خالص اخوتِ اسلام پر مبنی تعلقات جن کی کڑیاں تقسیم کے جان لیوا اور خون چکاں فسادات اور حیدرآباد دکن پر فوج کشی سے جاملتی ہیں، پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں وثائق کو برسرِ عام لائے ہیں، وہ بجائے خود تاریخ کو زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ دونوں طرف کے سیکولر ذہن کے علَم برداروں نے کس طرح اس اُمت کو بحرانوں کا شکار کیا ہے۔ ان سازشوں کا سلسلہ آج بھی ہر جگہ جاری ہے۔ دیگر مقالات ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ علامہ یوسف القرضاوی کی تحریر کا نہ ہونا باعثِ حیرت ہے۔ سیف الاسلام حسن البنا نے اگرچہ نادر وثائق فراہم کر کے ایک بڑی خدمت انجام دی، تاہم ان کی تحریر کی کمی محسوس ہوئی۔

ملک عبدالرشید عراقی، سوہدرہ، وزیرآباد

حسن البنا شہید نمبر کے جن مضامین نے بالخصوص متاثر کیا، اور حسن البنا کی شخصیت سے آگاہی ملی ہے، ان میں احمد عبدالرحمٰن، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر رضوان علی ندوی، میاں طفیل محمد، جنرل عزیز مصری، عبدالحلیم وشاحی اور ڈاکٹر صلاح الدین شامل ہیں، جزاکم اللہ!

توراکینہ قاضی، گجرات

حسن البنا شہید نمبر ہر اعتبار سے شان دار، پُروقار، مکمل اور وقیع دستاویز ہے۔ ہر مضمون دل چسپ،

توجہ کھینچنے والا اور اس عظیم شخصیت سے آگاہ کرنے والا ہے۔ 'حسن البنا اور قائداعظم' خاصا معلوماتی مضمون ہے۔ میری طرح اکثر پاکستانیوں کو بھی اس سے قبل یہ معلوم نہیں تھا کہ امام شہید کی قائداعظم مرحوم سے کبھی کوئی ملاقات بھی ہوئی تھی۔ امام شہید کے قلم سے سورہ الحجرات کی تفسیر پڑھ کر روحانی مسرت ہوئی۔

محمد کلیم اکبر صدیقی 'لندن' برطانیہ-ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی 'علی گڑھ' بھارت

اشاعتِ خاص کی خصوصی کاوش پر ہدیہ تبریک پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام شہید کی طرح زندگی کا ایک ایک لمحہ دین اسلام کی خدمات اور اس کی سربلندی کے لیے وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جناب میاں طفیل محمد کا انٹرویو بہت پُراثر اور ایک اعلیٰ کردار اور وسیع الظرف شخصیت کا مظہر ہے۔

جمیل احمد رانا 'کلورکوٹ' بھکر

ایمان اور دین اسلام سے وابستگی کے جذبوں سے لبریز اور معلومات و دل چسپی سے بھرپور ترجمان کی اشاعتِ خاص کو اوّل سے آخر تک میں نے اس انہماک سے پڑھا کہ جب آخری صفحے پر پہنچا تو اس دعوت، اس تحریک اور اس شخصیت کے بارے میں پڑھنے کی پیاس اور زیادہ بڑھ گئی۔ کیا آپ کے بس میں یہ ہے کہ اس کا دوسرا حصہ جلد از جلد لائیں، اور اس سے زیادہ اہم یہ بات کہ اشاعتِ خاص تحریک کے ہر کارکن تک پہنچ جائے، اور اس سے بھی زیادہ اہم تر یہ امر کہ کارکن اس کو پڑھ بھی لیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دستاویز، کارکنوں کو ایک نئی قوت اور ایمان کی نہ ختم ہونے والی لذت دے سکتی ہے۔

ڈاکٹر کوکب صدیق 'مدیر New Trend' امریکا

اشاعتِ خاص حسن البنا بہت سے قیمتی ہیروں سے آراستہ دستاویز ہے، جنھوں نے اخوان المسلمون کی تاریخ اور داخلی خوبیوں کو آشکارا کیا ہے۔ ان تحریروں میں خصوصی دل چسپی کا حامل وہ حصہ ہے، جس میں حسن البنا کے محمد علی جناح کے نام خطوط ہیں، اور ان دونوں عظیم شخصیتوں کی ملاقات کا تذکرہ ہے، جب کہ سب سے زیادہ حیرت زدہ کر دینے والی وہ تصویر ہے، جس میں حسن البنا کی جانب سے جناح مرحوم کو پیش کیا جانے کا نسخہ قرآن ہے اور جو آج بھی قائداعظم کے مزار کے گوشہ نوادرات میں موجود ہے۔

احمد علی محمودی 'حاصل پور'

اشاعتِ خاص بلاشبہہ ایک اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اگر فکری سطح پر دیکھیں تو سید مودودی، حسن البنا اور علامہ اقبال ایک ہی فکری دھارے کی عظیم شخصیات ہیں۔ اس لیے مستقبل قریب میں علامہ اقبال پر ایک اشاعتِ خاص کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

گلزار احمد اصغر 'اسلام آباد'

اشاعتِ خاص کے مطالعے سے معلومات میں وہ گراں قدر اضافہ ہوا جو شاید بہت سے متفرق لوازمے

یا کتب کے مطالعے سے حاصل نہ ہو پاتا۔ شرق اوسط میں شہید حسن البنا اور برعظیم پاک و ہند میں مولانا سیدابوالاعلیٰ کی کاوش و جدوجہد بلاشبہہ بڑی عزیمت کی مثالیں ہیں، لیکن اس دوران میں ایران میں آیت اللہ روح اللہ خمینی مرحوم کی قیادت میں، وہاں کے عوام نے طاغوت کی غلامی سے نجات پاکر اسلامی جمہوریہ قائم کی۔ وہاں پر لادینی اور مغربی سامراج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے اس تجربے کا بھی مطالعہ پیش کیا جانا چاہیے۔

ملک نواز احمد اعوان ، کراچی

یہ ایک جامع اشاعت ہے جس میں معلومات افزا اور امام حسن البنا کی حیات و خدمات کے متنوع گوشوں کی وضاحت پر مبنی مقالات شامل ہیں۔ امام البنا کے قائداعظم کے نام خطوط، ان کی مسلمانوں سے محبت اور دردمند دل کا ثبوت ہیں۔ اس اشاعتِ خاص سے مسلمانانِ عالم میں باہمی تعلق اور فکری آگہی کی ترقی ہوگی۔ رسالہ دوچار بار کھولنے سے ہی اوراق علیحدہ ہوکر باہر آجاتے ہیں، افسوس کہ اتنی قیمتی اشاعت کی جلد بندی ناقص ہے۔

خالد ندیم ، شیخوپورہ

'علامہ اقبال کی وابستگیِ رسولؐ: چند پہلو' (اپریل ۲۰۰۷ء) سے ایک طرف تو اقبال کے حبِ رسولؐ سے بے قرار دل کے احوال کا علم ہوتا ہے اور کلامِ اقبال کے بعض نکات کی وضاحت ہوتی ہے، دوسری طرف قاری کے دل میں عشقِ رسولؐ کی شمع جگمگا اُٹھتی ہے۔

عبدالحق ، اسلام آباد

'کون مہذب ہے؟ کون غیرمہذب؟' (اپریل ۲۰۰۷ء) 'وُون رِڈلے' کی تحریر ہے۔ ان کے نام کا صحیح تلفظ اِی وان رِڈلے ہے۔ یہ خاتون برطانیہ میں ایک ٹی وی چینل (اسلام چینل) میں کمپیئرنگ بھی کرتی ہیں۔ ان کے نام کا تلفظ سب لوگوں سے وہاں 'اِی وان' ہی سنا ہے۔

محمود حسین ، کراچی

'قائداعظم اور سیکولرزم' (مارچ ۲۰۰۷ء) میں اگر قائداعظم کی ۱۱/اگست کی تقریر کے متنازع حصے کو بہ مقابلہ ان حصوں کے جو غلط نقل کیے گئے ہیں یا کیے جاتے ہیں، نقل کردیا جاتا تو قاری کے لیے اس بددیانتی کو سمجھنے میں آسانی ہوجاتی، اور یہ breaking news ہوتی۔

عبدالستار ، امریکی جیل سے

مولانا مودودیؒ کا لٹریچر جیلوں کی مسجدوں سے اٹھایا جارہا ہے۔ سرعام مولانا کو 'منحرف' (deviant) کہا جارہا ہے۔ تکفیر کے فتوے انگلش میں چھاپے جارہے ہیں۔ سید قطب، حسن البنا، مولانا اشرف تھانوی کو بھی حقارت آمیز لہجے میں یاد کیا جارہا ہے۔ امام مسجد بھی بدل گیا ہے۔ مسجد میں سے سب کتابیں اٹھالی گئی ہیں۔ بہت پریشان ہوں۔ اپنی کم علمی پر شدید رونا آتا ہے۔ میرے لیے بہت ساری دعا فرمائیں۔

تحریکی، اقامتی، دینی، تعلیمی اور تربیتی ادارہ

جامعہ اسلامیہ جدیدہ

فیصل ٹاؤن، وہاڑی پنجاب (پوسٹل کوڈ 61100)

سرپرستِ اعلیٰ: **سید منور حسن** — سرپرست: **مولانا عبدالمالک ایم این اے**

نگرانِ اعلیٰ: **لیاقت بلوچ ایم این اے** — صدر مجلسِ انتظامیہ: **چودھری محمد طفیل وڑائچ**

★ پرائمری کے بعد گیارہ سالہ اور آٹھویں کے بعد آٹھ سالہ نصاب تعلیم مروجہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ درس نظامی/ دورہ حدیث اور بی اے

★ درجہ اولیٰ (ششم) اور درجہ رابعہ (نہم) میں نئے داخلے جاری ہیں، جب کہ ثانیہ (ہفتم) اور ثالثہ (ہشتم) میں بھی داخلے کی گنجایش ہے

★ تعلیم، رہایش، کھانا، علاج، کتب اور جامعہ کی یونی فارم بلا معاوضہ

★ درجہ حفظ (لڑکوں اور لڑکیوں کی علیحدہ کلاسوں) میں بھی داخلے کی گنجایش ہے

الحمدللہ، جامعہ کی L شکل کی ابوبکر بلاک، عمر بلاک اور عثمان بلاک پر مشتمل اپنی دو منزلہ نئی تعمیر شدہ بلڈنگ ہے جو کلاس روم، ہاسٹل، لائبریری، کمپیوٹر لیب، مہمان خانہ اور ڈائننگ ہال پر مشتمل ہے، جب کہ دفاتر اور اسٹاف کی رہایش کے لیے ۳۰ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والے تین منزلہ چوتھے بلاک (علی بلاک) کی تعمیر کا کام جولائی/ اگست ۰۷ء میں شروع کیا جا رہا ہے ان شاءاللہ!

ڈاکٹر محمد اقبال بانی چیئرمین/ ڈائرکٹر

بانی ممبر، یو کے اسلامک مشن برطانیہ

بانی چیئرمین، پیغام اسلام ٹرسٹ برمنگھم برطانیہ

ناظم داخلہ: **مولانا حبیب اللہ**

معاون: **قاری عبداللطیف**

فون: 3363362-3365216-067 موبائل: 7722363-0300

الھدیٰ سٹی

نزد قرطبہ سٹی (موٹروے چکری انٹرچینج) انڈسٹریل زون راولپنڈی

محل وقوع

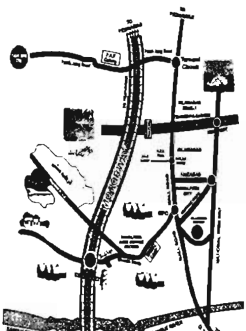
قرطبہ سٹی سے نزدیک بین الاقوامی معیار کے مطابق زیرِ تکمیل انٹرنیشنل ائرپورٹ سے قریب تر، چکری کے خوبصورت پہاڑوں کے دامن تلے کھلے اور پُر فضا ماحول میں موٹروے چکری انٹرچینج سے چند منٹ کی مسافت پر

خاص خاص فوائد

- کشادہ گلیاں اور سڑکیں، کالونی کا اپنا سکیورٹی سسٹم
- ہر سیکٹر کا علیحدہ پارک، خوبصورت پُر فضا اور آلودگی سے پاک ماحول
- معاشرتی آلودگیوں سے پاک پاکیزہ اسلامی معاشرہ
- انڈسٹریل زون کی وجہ سے ملازمتوں کے مواقع
- تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کی بدولت اعلیٰ تعلیم کے زیادہ مواقع
- وقت کے ساتھ قیمتوں میں اضافہ کی بدولت منافع بخش سرمایہ کاری

سہولیات

- 24 گھنٹے ٹرانسپورٹ
- پانی، بجلی، فون
- کمرشل ایریا، مسجد، مدرسہ
- سکول، پارک، کلینک
- اسلامک سنٹر، لائبریری، ہسپتال



الھدیٰ سٹی واقع چکری انٹرچینج نزد قرطبہ سٹی عصرِ حاضر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ رہائشی منصوبہ ہے جو کم آمدنی والے افراد کو انتہائی مناسب قیمت اور آسان اقساط پر پلاٹ مہیا کر کے جدید سہولیات سے آراستہ اور خوب آبادی کی دسترس ممکن ہے

	آسان طریقہ ادائیگی				نقد طریقہ ادائیگی	
	پیمائش	ایڈوانس	ماہانہ قسط	کل قیمت	رعایت	کل قیمت
5 مرلہ	25 x 50	15000/-	2000/-	150,000/-	15%	1,27500/-
7 مرلہ	30 x 60	21000/-	2800/-	210,000/-	15%	1,78500/-
10 مرلہ	35 x 70	30,000/-	4000/-	300,000/-	15%	2,55000/-
ایک کنال	50 x 90	60,000/-	8000/-	600,000/-	15%	5,10000/-
کمرشل	کمرشل بکنگ مکمل ہو چکی ہے					

تمام رقوم بذریعہ چیک / ڈرافٹ / پے آرڈر

کرنٹ اکاؤنٹ: 1531-9

الائیڈ بینک لمیٹڈ آف پاکستان

چوہڑ ہڑپال برانچ راولپنڈی



3000 روپے فی مرلہ ایڈوانس 400 روپے فی مرلہ ماہانہ قسط

پلاٹ کی قیمت میں ممکنہ ترقیاتی اخراجات شامل ہیں

یہ شیڈول یکم مئی 2007 تک قابلِ عمل ہے

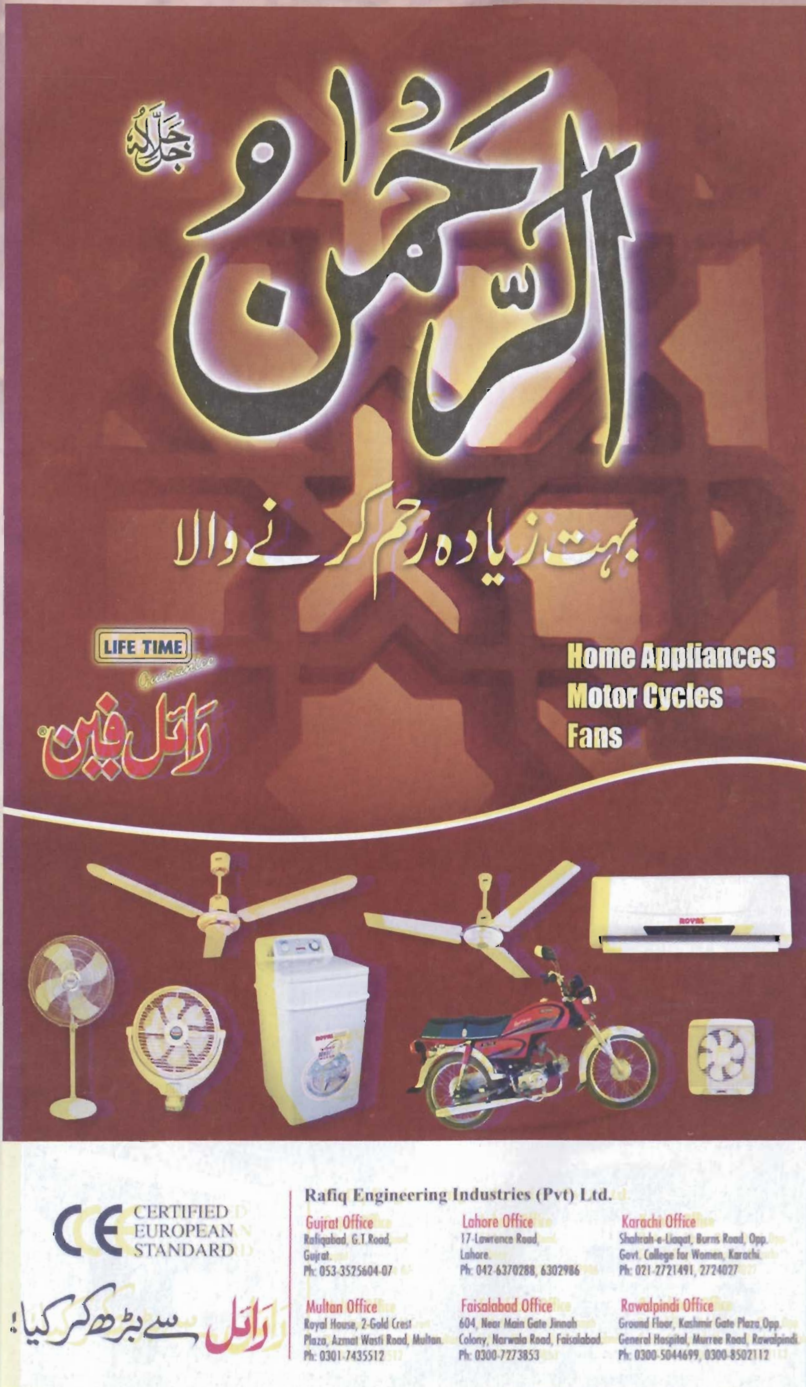
الھدیٰ ایسوسی ایٹس

تفصیلات کے لیے

0345-9707560

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور سے شائع کیا


G.F.C.
FANS
کوالٹی جو سب پہ چھا جائے!
جی ایف سی فینز اپنے اعلیٰ معیار کی وجہ سے پاکستان کے سب سے زیادہ ایکسپورٹ ہونے والے پنکھوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے جی ایف سی کا ایکسپورٹ نیٹ ورک امریکہ اور یورپ سمیت تیزی سے دنیا کے نقشے پر چھا رہا ہے۔ جی ایف سی امریکن سٹینڈرڈ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والی پاکستان کی پہلی اور واحد کمپنی ہے جو کہ جی ایف سی کے نہایت تجربہ کار انجینئرز کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اپنی وسیع رینج اور خوبصورت ڈیزائنز کی وجہ سے جی ایف سی فینز ہمیشہ سے دنیا بھر کے صارفین کی اولین پسند ہیں۔
International
Quality Certified
PSQCA
SAUDI ARABIAN
PCSIR
Importers & Exporters
Manufacturers of all kinds of Electric Fans & Appliances
General order suppliers & approved Government Contractors
ENERGY SAVER
General Fan Company (Pvt) Ltd.
G.T. Road, Gujrat-Pakistan. Tel: +92-53-3520301-03
Fax: +92-53-3521427-3515303
Distributor
M.M & Brother's 15 Ferozpur Road, Lahore.
Tel: (042) 7581084, 7566309
UL CE
یو۔ایل اور سی۔ای سرٹیفیکیٹ
حاصل کرنے والی پہلی پاکستانی پنکھا ساز کمپنی
BLAZE



الرحمٰن جل جلالہ
بہت زیادہ رحم کرنے والا
LIFE TIME
Guarantee
رائل فین
Home Appliances
Motor Cycles
Fans
CE CERTIFIED EUROPEAN STANDARD
رائل سے بڑھ کر کیا!
Rafiq Engineering Industries (Pvt) Ltd.
Gujrat Office
Rafiqabad, G.T.Road,
Gujrat.
Ph: 053-3525604-07
Lahore Office
17-Lawrence Road,
Lahore.
Ph: 042-6370288, 6302986
Karachi Office
Shahrah-e-Liaqat, Burns Road, Opp.
Govt. College for Women, Karachi.
Ph: 021-2721491, 2724027
Multan Office
Royal House, 2-Gold Crest
Plaza, Azmat Wasti Road, Multan.
Ph: 0301-7435512
Faisalabad Office
604, Near Main Gate Jinnah
Colony, Narwala Road, Faisalabad.
Ph: 0300-7273853
Rawalpindi Office
Ground Floor, Kashmir Gate Plaza,Opp.
General Hospital, Murree Road, Rawalpindi.
Ph: 0300-5044699, 0300-8502112

قرطبہ سٹی

امن اور علم کی بستی اکیسویں صدی کا محورِ تعلیم و تحقیق

Madina Tul Ilm

محلِ وقوع و آب و ہوا:



قرطبہ سٹی کے لئے جگہ کا انتخاب چکری انٹرچینج، موٹروے (M2) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ جگہ اسلام آباد، راولپنڈی سے 30 منٹ کی ڈرائیو (50 کلومیٹر تقریباً) پر تحصیل راولپنڈی میں واقع ہے۔ کوہِ خیری مُورت کے دامن میں واقع یہ علاقہ قدرتی مناظر سے مالا مال ہے۔ اس کا موسم اور نشیب و فراز اسلام آباد سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کے درمیان سے دریائے سِل بل کھاتا ہوا گزرتا ہے جس میں قدرتی چشموں کی وجہ سے سارا سال پانی کا بہاؤ رہتا ہے۔

شہری سہولیات و خصوصیات:

- تمام سہولیات جو ایک جدید شہر میں ہوتی ہیں
- شجرکاری اور اس کی مستقل دیکھ بھال گھروں کے معیاری نقشہ جات کی فراہمی۔
- قرطبہ سٹی کا اندرونی ٹرانسپورٹ کا نظام
- قرطبہ سٹی سے اسلام آباد، راولپنڈی تک ٹرانسپورٹ کی سہولت
- منصوبے کو آباد کاری کے دوران مالی لحاظ سے خودکفیل رکھنے کا نظام۔
- اسلامی معاشرتی اقدار کے فروغ کے لئے شہری زندگی اور ہمسائیگی کے خصوصی بائی لاز
- تمام شہری سہولیات کی فراہمی اور مستقل دیکھ بھال کا نظام۔

منصوبے کی خصوصیات:



- قرطبہ سٹی کے وسط میں وسیع و عریض بین الاقوامی قرطبہ یونیورسٹی کا قیام و انصرام۔ یہ یونیورسٹی جدید سائنسی اور معاشرتی علوم پر تحقیق اور اُن کو اسلامی قدروں میں ڈھالنے کا محور ہوگی۔
- ایک عظیم الشان مرکزی جامع مسجد قرطبہ کا قیام و انصرام۔ یہ جامع مسجد یونیورسٹی سے ملحقہ ہوگی اور یونیورسٹی کے مقاصد کے حصول میں کلیدی کردار کی حامل ہوگی۔
- خواتین کے لئے خصوصی کاروباری مراکز و تفریحی مقامات۔

ترقیاتی کاموں کی صورتِ حال اور ماسٹر پلان:

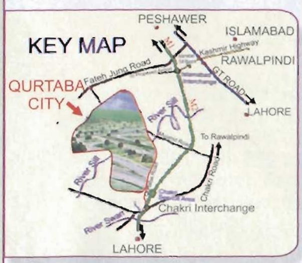
- اس عظیم الشان منصوبے کے لیے 4 سے زائد ملحقہ موضع جات میں زمین کی خرید کی جاچکی ہے۔ اِن میں سے ایک موضع کی زمین کو یکجا کیا جا چُکا ہے (الحمدُ اللہ)۔ اور بقیہ موضع جات میں یکجا کرنے کا عمل جاری ہے۔ منصوبے کے حجم کے پیش نظر اس کی منصوبہ بندی اور تکنیکی کام مُلک کے مشہور اور مایہ ناز تکنیکی منصوبہ ساز اور کنسلٹنٹ میسرز نیسپاک (نیشنل انجینئرنگ سروسز پاکستان) کو سونپا گیا ہے۔ نیسپاک نے ایک جامع شہری منصوبہ پیش کر دیا ہے۔ اور یکجا ہونے والے وسیع رقبہ کی منصوبہ بندی مکمل کر دی ہے۔ انجینئرز کا تیار کردہ ماسٹر پلان TMA کے پاس منظوری کے لئے جمع کروادیا گیا ہے۔ اور تکنیکی مرحلوں سے گزر کر اب یہ ماسٹر پلان منظوری کے آخری مرحلہ میں ہے۔



قرطبہ سٹی پراجیکٹ آفس کا ایک منظر

پراجیکٹ آفس اور سائیٹ کا مشاہدہ:

- عظیم الشان منصوبے کی ضرورت کے مطابق تمام جدید سہولیات سے مزین پراجیکٹ آفس کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔ اور جلد ہی انجینئرز اس آفس میں تعمیراتی کاموں کی نگرانی کا آغاز کردیں گے۔ آپ سائیٹ کے مشاہدہ کے لیے چکری انٹرچینج موٹروے (M2) سے نکل کر اشارتی بورڈز کے مطابق پراجیکٹ آفس کا دورہ کر سکتے ہیں۔



پلاٹ بُکنگ:

- ٹاؤن پلاننگ کی منظوری کے ساتھ ہی مزید پلاٹ بکنگ کے لئے پیش کر دیے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی الاٹمنٹ کا طریقہ کار اور نئی قیمتوں کا تعین بھی کر دیا جائے گا۔

موجودہ پلاٹ ہولڈرز متوجہ ہوں:

- قرطبہ سٹی کے دفتر سے رابطہ کر کے اپنا ڈاک کا پتہ درست کروائیں تا کہ ڈاک کی ترسیل یقینی بنائی جا سکے۔ ایڈریس تبدیل کرنے کے لئے فارم دفتر سے حاصل کریں۔ اقساط پر بکنگ کروانے والے حضرات فوری طور پر اپنی بقایا اقساط جدول کے مطابق ادا کردیں۔ بقایا جات جاننے کے لئے دفتر سے رابطہ قائم کریں۔ خواتین و حضرات اپنی رائے اور تجاویز سے مدینۃ العلم کے پتہ پر یا Email کے ذریعہ آگاہ کریں۔

فلیٹ نمبر 4، فسٹ فلور، خیبر پلازہ، فضل حق روڈ، بلیو ایریا، اسلام آباد
فون: 92-51-2206380 فیکس: 92-51-2270411
info@qurtabacity.com

مدینة العلم

Rev. 4.0